

استیاذ حق

راجا غلام محمد

فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کی جاسی کردار کا تقابلی جائزہ

مطبوعہ: مکتبہ فتاوریہ، لاہور

Presented Online By:

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک
Alahazrat Network



فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہوی کی سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ

امتیاز حق

مع ضمیمہ
امتیاز حق ارباب تحقیق کی نظر میں

راجا غلام محمد
صدر ادارہ البطل باطل لاہور

مکتبہ قادریہ لاہور

نام کتاب، امتیاز حق
 تالیف و تراجم علامہ محمد سعید ادریۃ البطلانی لاہور
 کتبیت، محمد عاشق حسین ہاشمی، چنیوٹ
 سن طباعت، صفر الحنفی ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء

طبع : ایم منیر قاضی
 مطبع : قلی پریس، ۹۰ سرگودھا روڈ، لاہور

قیمت،
 ملنے کے پتے،

- ۱۔ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ الوہاری منڈلی لاہور
- ۲۔ مکتبہ شمس، شمس العلوم جامعہ رضویہ، ایس آر ٹی روڈ، لاہور
- نارنگہ ناظم آباد کراچی
- ۳۔ مکتبہ غفریہ، راستہ القرآن، ممتاز آباد، ملتان
- ۴۔ مکتبہ اشرفیہ، مرید کے

فہرست

- ۴-۱- ارباب تحقیق کے اسماء گرامی
- ۵-۲- ہمیشہ لفظ
- ۷-۳- غرور کا نام بخون رکھ دیا جنوں کا خرو
- ۱۷-۴- جنگ آزادی اور فضل حق خیر آبادی
- ۱۸-۵- صاحب علم و فضل
- ۲۵-۶- انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد
- ۳۷-۷- جنگ آزادی میں فضل حق کا عمومی کردار
- ۵۱-۸- جنگ آزادی کا مخالف کون؟
- ۵۵-۹- انگریزوں کا ایک ماسٹ بیہ بردار
- ۶۱-۱۰- شاہ اسماعیل بلوی کا سیاسی کردار
- ۶۶-۱۱- انگریزوں کے ساتھ تعلقات
- ۷۷-۱۲- انگریزوں کی دھتیں
- ۸۳-۱۳- انگریز کے جاسوس
- ۸۷-۱۴- انگریزوں کے خلاف جہاد کے بانیوں میں ولپیوں کا موقف
- ۹۳-۱۵- انگریزوں کے ایماء پر سکھوں سے لڑائی
- ۱۱۳-۱۶- سرحد کے مسلمانوں کے خلاف جہاد
- ۱۲۹-۱۷- حقائق کا اظہار
- ۱۳۵-۱۸- حربہ آخر
- ۱۳۹-۱۹- کتابیات
- ۱۴۳-۲۰- مقدمہ ارباب تحقیق

امتیاز حق ارباب تحقیق کی نظر میں

۱۸۷	۲۳۲	۱۔ حافظ ڈاکٹر محمد عادل	۱۸۷	۲۳۲	۱۔ جناب سید مستوی
۱۸۸	۲۳۸	۲۔ پروفیسر سید مسعود علی	۱۸۸	۲۳۸	۲۔ پروفیسر محمد عظیم بیٹی
۱۸۹	۱۵۷	۳۔ پروفیسر محمد قاسم	۱۸۹	۲۵۷	۳۔ حکیم محمود احمد برکاتی
۱۸۹	۱۵۶	۴۔ پروفیسر میاں مقبول احمد	۱۸۹	۲۶۶	۴۔ پروفیسر ولی محمد
۱۸۹	۱۵۸	۵۔ جناب بڑی انصاری	۱۸۹	۲۶۷	۵۔ میاں عبدالرشید
۱۹۰	۱۵۸	۶۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری	۱۹۰	۲۶۸	۶۔ حافظ مظہر الدین مرحوم
۱۹۱	۱۵۸	۷۔ پروفیسر محمد مسعود احمد	۱۹۱	۲۶۹	۷۔ محمد ماسم اعظمی ایم اے
۱۹۲	۱۶۱	۸۔ پروفیسر سید محمد عارف	۱۹۲	۳۰	۸۔ پروفیسر محمد حسین آہستہ
۱۹۳	۱۶۳	۹۔ جناب محمد اسماعیل	۱۹۳	۱۶۳	۹۔ سید یعقوب علی شاہ
۱۹۳	۱۶۸	۱۰۔ پروفیسر سید سبط حسن فاضل زیدی	۱۹۳	۱۶۸	۱۰۔ سید شمیم گوہر
۱۹۵	۱۶۹	۱۱۔ حکیم نصیر الدین ندوی	۱۹۵	۱۶۹	۱۱۔ پروفیسر آفتاب احمد نقوی
۱۹۶	۱۷۱	۱۲۔ پروفیسر خورشید حسین بخاری	۱۹۶	۱۷۱	۱۲۔ سید الطاف علی بریلوی
۱۹۶	۱۷۴	۱۳۔ ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی	۱۹۶	۱۷۴	۱۳۔ پیر سیدی اعلم گرجاچی
۱۹۶	۱۷۵	۱۴۔ پروفیسر حافظ سید مقصود علی	۱۹۶	۱۷۵	۱۴۔ جناب افتخار احمد القادری
۱۹۷	۱۷۷	۱۵۔ سید نجم الحسن رضوی خیر آبادی	۱۹۷	۱۷۷	۱۵۔ پروفیسر وقار حسین طاہر
۱۹۸	۱۷۹	۱۶۔ حکیم محمود احمد برکاتی	۱۹۸	۱۷۹	۱۶۔ جناب محمد غنصیل
۲۰۰	۱۸۰	۱۷۔ پروفیسر عبد الرشید فاروقی	۲۰۰	۱۸۰	۱۷۔ جناب حاجی احمد قباہد
۲۰۱	۱۸۲	۱۸۔ ڈاکٹر محبت الحق اعظمی	۲۰۱	۱۸۲	۱۸۔ مولانا محمد عبد المنعم میز اردی
۲۰۲	۱۸۳	۱۹۔ پروفیسر شہر قصوری	۲۰۲	۱۸۳	۱۹۔ شاہین ملک
۲۰۳	۱۸۵	۲۰۔ پروفیسر فیاض کاوش	۲۰۳	۱۸۵	۲۰۔ صاحبزادہ محمد محبت اللہ لوری
۲۰۴	۱۸۵	۲۱۔ عبدالشاید شروانی	۲۰۴	۱۸۵	۲۱۔ جناب اختر شاہ بیجاوی پوری
۲۰۴	۱۸۵	۲۲۔ ڈاکٹر محمد عارف	۲۰۴	۱۸۵	۲۲۔ ڈاکٹر محمد عارف

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قتیمیر ہند ایک مسلمانانِ ہند کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ فرقہ وادہ برطانوی کاشت کھد پودا ہے جس کی آبیاری اس نے نہایت ہوشیاری سے کی اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ یہ نظریہ کسی بدگمان پر مبنی نہیں تھا، بلکہ اس کی بنیاد وہ حقائق ہیں جن کو خود وادہ حضرات نے بیان کیا۔ انہوں نے انگریز حکومت کو درخواست دے کر اپنے لیے وادہ کی بجائے اہل حدیث کا نام منظور کرایا۔ (مقدمہ حیات سید احمد از پروفیسر محمد الیوب قادری مطبوعہ مئیس اکیڈمی کراچی ص ۱۱) ہندوستان میں وادہیت کی بنیاد سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ذریعے رکھی گئی جن کو انگریز نے اپنی نگرانی میں تحریکِ جہاد کے نام پر منظم کیا اور پھر ان کو بڑی حفاظت سے پٹنوں کے علاقہ (سرحد) میں پھنچایا اور وہاں فائدہ اٹھایا۔ ایک طرف اس نے وادہ کی تحریک کے ذریعے صوبہ سرحد میں جہاد کے نام پر اپنے دونوں دشمنوں بھگتوں اور پٹنوں کو الجھایا، تو دوسری طرف مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے فتنہ برپا کر دیا۔ قیامِ پاکستان تک اس تاریخی حقیقت کا کسی انسان نہیں گیا بلکہ اس وقت کے سو سالہ دور کے تمام ریکارڈس، سوانح اور تواریخ اس حقیقت کے شاہد ہیں۔ قیامِ پاکستان کے سترہ سو کو قیامت سمجھتے ہوئے انہوں نے تاریخ کو مسخ کرنا مناسب سمجھا اور سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی تحریک وادہیت کو تحریکِ آزادی اور ان کی انگریز دوستی کو انگریز دشمنی کا نام دینا شروع کر دیا۔ اس بددیانتی کے سرخیل غلام رسول مہر ثابت ہوئے جنہوں نے اپنی تصنیفات میں مسلمہ تاریخی واقعات کو اپنے ذاتی نظریہ کے تحت بدل کر خیانت کی اور یہ اعلان کیا: میں مجاہدین کی شان و آبرو کو ہر حال

قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگرچہ وہ سابقہ بیانات کے عین مطابق نہ ہو۔ اوقات مہر، ص ۲۳۱،
 اسی بنا پر انہوں نے ان دو بیانی قادیان کے بیانات کو بھی نظر انداز کر دیا۔ ہماس تحریک میں شامل
 یا قریب سے دیکھنے اور سننے والے تھے، اسی طرح انہوں نے مل وقوع اور واقعات پر مشتمل سو سال
 قبل لکھی ہوئی تاریخ کا ذکر کیا، بلکہ ان سے لاعلمی کا اظہار کیا، چنانچہ شیر محمد پتی صاحب جیسی یقیناً
 ہیں، انہوں نے ہر صاحب سنیہ تاریخ تالیف تو اس بڑے بڑے کے متعلق استفسار کیا، تو جواب میں اقول واللہ
 کے متعلق کہا امید نہیں کہ اس قدر تاریخ ہزاروں کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان دونوں کتب
 کے علاوہ تاریخ پشاور بھی پاکستان کی معروف لائبریریوں بلکہ لاہور کی لائبریریوں میں بھی موجود تھیں، اگرچہ عالیہ
 سالوں میں ان کو خائب کر دیا گیا ہے، اب بھی پائید نہیں ہیں۔ ہر صاحب جس واقعہ کی تاریخ لکھ رہے
 ہیں، اس سے متعلق قدیم کتب تاریخ سے لاعلمی ظاہر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب قوم کو قصداً
 اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں، ورنہ تو تاریخ ہونے کی حیثیت سے ہر صاحب واقعہ کے متعلق ساری کتب سے خبریں
 ہو سکتے۔ درحقیقت مذکورہ کتب میں صاحب کی تحریر کا اصل نسخہ واضح کرتی ہیں تو اس بڑے بڑے کے چند اقتباسات غلط
 و غلط سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریزوں کے مشورے سے واسطے فتح اس کا کیا ہے
 جہاں کا نام فرسٹی مقرر کیا ہوا ہے (ص ۷۲۵) "یہ خلیفہ سید احمد لاہور کو فرو دے سکتے ہیں، کی طرف نہیں جاتا۔
 یہ صرف اس کی باتیں ہیں، اصل غرض اس کی ہمارے ملک کو پامال کرنا ہے" (ص ۷۲۶)
 "یہ سوات میں چلے گئے، وہاں بھی ان کے عقائد خلاف شرع نے یہ اثر دکھایا کہ انہوں نے سوات
 (موجودہ والی سوات کے داتا) نے ان کے کفر کا حکم دیا اور ان کو نکال دیا" (ص ۷۲۷)
 "انہیں اور اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا ہے جو خلاف شان
 اس عظیم الشان گروہ کے ہے" (ص ۷۲۸)

جناب راجا غلام محمد نے زیر نظر کتاب میں سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے اصل کردار کو
 واضح فرماتے ہوئے اس دور کے مسلم قائد تحریک آزادی علامہ فضل حق حیدر آبادی کے کارناموں
 کا تعارف بھی کرایا ہے۔ قوم راجا صاحب کی اس کوشش کی ممنون ہوگی۔

خرد کا نام جنوں کھ دیا جنوں کا خرد

بزرگ سیرندوستان میں تجارت کے نام سے داخل ہونے والے غیر ملکی مختلف حیلوں سے ملک پر قابض ہو گئے۔ برصغیر میں اونگک زریب عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت پارہ پارہ ہوتی گئی۔ سلطان ٹیپو شہید اور سرارج الدولہ نے آندھروں میں چراغ جلائے مگر اندھیرے چھٹ نہ سکے۔

نہ ڈو لگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں
چراغ ہم نے جلائے ہو اے رستے میں

مسلمان کسی حکومت کا سربراہ ہوتا تو اس ملک کا مالک و مختار نہیں ہوتا، وہ خدا کی نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے اور اس نیابت کی حد تک مسلمان کے لیے حکمرانی لادہی ہے۔ اسلام میں محکومی کا تصور تک نہیں ہے۔ اپنی کمزوریوں اور حالات کی ستم ظریفی کے باعث حکومت ہم سے چھین گئی، مگر ہمارا خمیر آزادی سے اٹھا ہے۔ غلامی اور محکومی ہمارے لیے قابل برداشت نہیں ہوتی۔ انگریزوں نے مختلف حربوں سے ہمیں کاروبار حکومت سے بے دخل کیا تھا۔ اس نے مختلف حیلے استعمال کیے کہ ہم اپنی آزادی کی بات نہ کریں اور اس کی غلامی کے جوئے کو لگے گا ہار بنائے رکھیں۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے شہرہ آفاق فارمولے کو بھی استعمال کیا،

”لڑاؤ اور حکومت کرو“

اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کیے جنہوں نے گمراہوں کے خلاف کفر اور شرک

کے فتوے دیئے۔ اہل اسلام کے وہ اعتقادات جن پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین کے اقوال و ارشادات اور اعمال و افعال کی بنیاد رہی ہے۔ ان کو خلافت توحید، مظہر الایمان، موجب بن النعمانین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بیج کئی کرنے اور سرکار کے ناموس کی حرمت و عزت کے تحفظ کے احساس کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی گئی تاکہ وہ اساس ہی نہ رہے جس پر مسلمان ظلم و کفر کے خلاف نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پاتے ہیں۔

مرہٹوں اور سلطان ٹیپو کی طاقت کو ختم کرنے کے بعد پنجاب کے سکھوں کے علاوہ صوبہ سرحد کے غیر مسلمان ہی انگریزوں کے پورے ہندوستان پر قبضے کی راہ میں گامزن ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی سرپرستی میں مسلمانوں میں سے ایک جماعت تیار کی جو سکھوں سے بھی لڑے اور سرحد کے مسلمانوں سے بھی۔ سرحد کے اہل اسلام اپنے معتقدات میں بہت سخت رہے ہیں، انہیں محبوب کبریا علیہ التینۃ و الثلثہ کی ذات سے محبت و عقیدت تھی اولیائے کرام، پڑوں اور بزرگوں کی وہ ہمیشہ سے عزت و تحظیم کرتے آئے ہیں۔ ایسے میں انگریز کی تیار کردہ جماعت اگرچہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پیرو مشد نہیں مانتی تھی کہ انہیں (نعوذ باللہ) مرکز مٹتی میں مل جاتے آلا کہتی تھی مگر سرحد میں اپنے سربراہ کو پیر کے روپ میں لے کر داخل ہوئے، اس سے کچھ بچانوں نے اپنی روایتی عقیدت و ارادت سے کام لیتے ہوئے ان کی بیعت کی، لیکن ان کے ارشاد و آقاہ ہونے کے بعد ان کے مخالف ہو گئے۔

اس تحریک سے انگریزوں نے مطلوبہ مقاصد حاصل کر لیے۔ مسلمان دگر دہوں میں بٹ گئے اور ان کی آپس میں جھنجھٹ سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا لیا، سکھ کمزور ہو گئے اور ان کی کمزوری سے انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ یہ واقعات انیسویں صدی کے دوسرے ربع کے آغاز میں رونما ہوئے۔ تیسرے ربع میں مسلمانوں نے غیر مسلم اور غیر ملکی اقتدار سے جان چھڑانے کے لیے بغاوت کی۔ تحریک آزادی کی جنگاریاں سنگتی سنگتی شعلہ بن گئیں، شہداء کی جنگ آزادی میں اگرچہ ہندو بھی شریک تھے، مگر مسلمانوں نے جان و مال اور آبرو کی پروا نہ

کرتے ہوئے انگریزوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے جو قربانیاں دیں، ان کی مثال نہیں ملتی، اگرچہ وہ اس میں فوری طور پر کامیاب نہ ہو سکے، مگر ۱۹۴۷ء اسی خراب کی تعمیر کی واضح اور خوش آئند شکل تھی، جب ہم نے آزادی کی سانس لی۔

زندہ قویں اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کرتیں، اپنی جدوجہد کی تاریخ کو لٹنے والی نسلوں کے دل و دماغ میں راسخ کرتی ہیں، اپنی کمزوریوں سے سبق سیکھتی ہیں اور اپنے اسلاف کے عزم و استقلال کے مظاہروں کو اپنے لیے راہ عمل قرار دیتی ہیں۔ انگریز ہمارا دشمن تھا، اس نے ہماری جغرافیائی حیثیت میں بھی تبدیلی پیدا کر دی تھی اور بڑے علم خود ہمارا مالک و مختار بن بیٹھا تھا۔ ظاہر ہے وہ ہماری تاریخ کے ساتھ بھی انصاف نہیں کر سکتا۔ یہ ذمہ داری ہماری ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو محفوظ کریں، اس کے روشن اوراق کو مشعل راہ بنائیں اور اگر کہیں ہم سے کوتاہی ہوئی ہے، تو آئندہ کے لیے اس سے احتراز کرنے کی روش اپنائیں۔ ہمیں چاہیے کہ جن لوگوں نے جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء میں یاد دہانے کے لیے موقوفی پر اسلامی تشخص اور آزادی کے حصول کے لیے قربانیاں دیں۔ انگریزی اقتدار کے خلاف علم جدوجہد بلند کیا۔ ان کی یاد کو حزر جاں بنائیں، لیکن اگر ہم میں سے کچھ لوگ اس زعم میں ہیں کہ ان کے ہاتھ میں قلم بنے، وہ جو چاہیں لکھ سکتے ہیں ان کے پاس ذرائع ابلاغ ہیں، وہ جو چاہیں چھاپ سکتے ہیں انہیں وسائل میسر ہیں، وہ ان کے بل پر تاریخ بنا سکتے ہیں تو یہ بات کسی طرح ہماری زندگی کے لیے سم فائل سے کم نہیں ہے جو قوم اپنے ہیروؤں کو بھول جائے یا قوم و ملک کے نئے محسن و منج کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی حیات و بقا کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔

انگریز نے ٹھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے آزمودہ حربے کو استعمال میں لاتے ہوئے مسلمانوں کے مسلمہ عقائد کے خلاف تقویۃ الایمان لگھوائی، اس مقصد کے لیے توحید کے نام پر رسالتِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کو کمزور کیا گیا۔ دوسرے بہت سے لوگوں کے علاوہ مغربی ائمہ کی بدوی کی ان کوششوں کا موثر ناغہ فیصل حق خیر آبادی نے جواب دیا، مسلمانوں کے دل و طبیعت بن گئے، ایک نئے اسلام

کے اجتماعی مفاد میں کام کیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کارنامے نمایاں انجام دیئے اور دکنے جیسے
 نے لوگوں کو دین کی اصل سے ہٹا دیا یا جتنور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو کم کر کے اسلام کے لیے
 قربانیاں دینے کا جذبہ خیم کر دینے کی سازش کی۔ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے ماتحتی نمائندگی بلاستے
 اور آج بھکان کے متبعین اجتماعی قومی مفادات کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ جب انگریزوں نے
 ہم سے حکومت چھین لی تھی۔ ہماری آزادی سلب ہو گئی تھی۔ جب وقت کی اہم ترین ضرورت انگریزوں
 سے جنگ کے لیے اپنی تمام گمشدہ کی بازیابی تھی۔ سید احمد اور اسماعیل دہلوی صاحبان نے انگریزوں کے لیے لاپرواہ
 رکھتوں اور ایسے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی جو ان کے معتقدات کو خلاف اسلام سمجھتے تھے اور
 اپنے تشخص کو کسی غیر کی غلامی میں ختم کر دینے کے خلاف تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جب قوم جنگ آزادی لڑ
 رہی تھی۔ تحریک مجاہدین کے باقیات متنازعہ زیر پر ہے یا انگریزوں کی خواہش میں لگے ہے اور ان کی
 دی ہوئی سندیں اپنے سینوں پر سج کر افتخار و ابہاج کی محفلیں منعقد کرتے رہے۔ جب جنگ آزادی
 کے اثرات مابعد کے طور پر علماء حق جان و مال اور آبرو کی قربانیاں دے رہے تھے۔ دہلوی اپنی
 کتابوں کو انگریز گورنروں کے نام منسوب کر رہے تھے اور قرآن و حدیث اور توحید کا نام لے کر
 انگریزوں کے خلاف کیے جانے والے جہاد کی مخالفت میں کان میں لکھ رہے تھے۔

پھر قلم ان مجاہدین کے متبعین کے ہاتھ میں آگیا تو انہوں نے تاریخ تصنیف کرنا شروع
 کر دی، جنگ آزادی کے مجاہدین اور شہداء کے خلاف کہانیاں لکھیں اور انگریز کے جاسوسوں کو ان
 کا دشمن اور جنگ آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اس مقصد کے لیے
 تاریخی مافذ کی انہوں نے تقلید کی یا ان سے صرف نظر کرنا پیا اور من گھڑت کہانیوں کی زیور سے یاد دہانی کی

خدا کی شان کہ آزر خلیل کہلاتا ہے

دلوں میں اپنے بہاتے بھنے سمن خانے

زیر نظر معنوں میں ان دو دہائی حریفوں کے سیاسی کردار کا جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے
 امتناع انگریز اور دیگر مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف لکھا۔ اسماعیل دہلوی نے ایک

ایسے دین کی تردید کی جو اسلام کے عقائد کے خلاف اور قرآن و سنت کے واضح احکام سے متصادم معتقدات پر مبنی تھا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے قرآن و سنت کی رو سے ان کو خلافِ اسلام ثابت کیا اور ان کفریہ عبارات کی تغلیط کی۔ پاکستان کے مشہور نفاذ محمد حسن عسکریؒ اسماعیل صاحب کی کتاب اور اس کی تردید کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”یوں تو حوالی کے زمانے سے بہت پہلے تقویۃ الایمان شائع ہو چکی تھی اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول کی حزت صرف اتنی کرنی چاہیے جتنی بڑے بھائی کی“

(ستارہ یاباد بان، ص ۳۰۳۔ از محمد حسن عسکری)

اسماعیل دہلوی کے پیروؤں نے دینی محاذ پر اپنی شکست کو تو عملی طور پر تسلیم کرنا ہے کہ اب یہ لوگ تقویۃ الایمان کا کم سے کم ذکر کرتے ہیں، برسرِ عام حضور کو مکرر مٹی میں مل جانے والا کہنے کی جسارت نہیں کر سکتے اور اسی طرح یہ لکھتے اور کہتے نہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نظیر دوسرا پیدا ہو سکتا ہے۔ اب انہوں نے اسماعیل دہلوی، سید احمد دہلوی اور ان کے ساتھی مجاہدوں کے جہاد کا رخ ہسکھوں اور مسلمانوں سے موڑ کر انگریزوں کی طرف کر دیا ہے اور انہیں انگریزوں کے دشمن اور آزادی کے عظیم رہنما ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑکتا ہے اور مضامین لکھ رہے ہیں۔ نیز علامہ فضل حق خیر آبادی سے دینی محاذ پر شکست کھانے کے بعد ان کے سیاسی کرواہر پر پورے ڈالنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔

آکے پتھر تو مرے سخن میں دو جاؤ گے

جتنے اس پڑ کے چلے تھے پس پوچھا اگر سے

چونکہ انہوں نے صرف یہ طے کیا ہوا ہے کہ فضل حق سے جنگ آزادی کی زمام چھینی ہے چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے کوئی تو یہ کہتا ہے کہ انہوں نے محض انگریزوں کے خلاف فتویٰ نہ تھا کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا، کوئی اور قابلِ قدر خدمت انجام نہیں دی، کوئی یہ کہتا ہے کہ فتویٰ تو

انہوں نے دیا ہی نہیں اور فضل حق شاہجہانپوری کے بجائے غلطی سے انہیں پکڑ کر کالا پانی کی سزا دی گئی تھی، جہاں وہ شہید ہو گئے تھے۔
 ان تاریخ سازوں میں سے کچھ تو جنگ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے فضل حق خیر آبادی کا نام بھی لینا گوارا نہیں کرتے۔ مجھی، امتناع النظر کے مسئلے میں فضل حق خیر آبادی کو آپ نے گالیاں دیں، وہی کافی تھیں کہ سیاست میں ان کے مہتاب زاکر وار کو دھندلانے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔

بہتان تراشی کی ضرورت نہیں لوگو،
 دینے کو سزا جرم محبت ہی بہت ہے
 مشہور ادیب و نقاد نام سیتا پوری لکھتے ہیں،

”انگریز اور ان کے ہوا خواہ تو مولانا (فضل حق خیر آبادی) سے اس لیے ناراض تھے کہ انقلاب سن ستاون کے سلسلے میں کسی نہ کسی بیج سے ان کا نام آگیا لیکن خود مسلمانوں کا ایک پروجیکٹڈ گروپ ”مولانا سے اس لیے بیزار تھا کہ وہ ان کے مذہبی نظریات کے خلاف عالمانہ مجاہدہ کر چکے تھے یہ باوقار علمی مباحثے کوئی ذاتی اور عامیانہ جنگ نہیں تھی جس کا سہارا لے کر مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر دیا جاتا، لیکن ہوا کچھ ایسا ہی“

غالب نام ”آدم“ ص ۱۰۱

از نام سیتا پوری

مزید لکھتے ہیں،

”اس میں شک نہیں کہ مولانا فضل حق (خیر آبادی) کے کئی سیرت نگاروں نے من گھڑت، جھوٹی اور بے سرو پا حکایتیں بیان کر کے مولانا کے نیک کردار کو خواہ مخواہ شبک کرنے کی کوشش کی ہے۔“ (غالب نام ”آدم“ ص ۱۰۹)

اس سلسلے میں آدم سیتا پوری نے مفتی انتظام اللہ شہبانی کے بارے میں لکھا ہے،
 ”جمہورٹی روایات، امن گھڑت واقعات اور فرضی کتابوں کے غلط حوالے

مفتی صاحب کی ادبی زندگی کا شاندار کاغذ نمبر ۱۰ ہے۔“ (ص ۱۰۹)

پھر انہوں نے مفتی صاحب کے علامہ فضل حق پر کتنی اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے ہیں۔
 ہم علامہ فضل حق اور اسماعیل دہلوی کے تقابلی جائزے کے لیے ان دونوں شخصیتوں کے
 سیاسی کردار کو سامنے لائیں گے اور بتائیں گے کہ انگریزوں کو برصغیر سے نکلانے کے لیے
 کس نے کیا کیا ہے؟ اور انگریزوں کا اقتدار اس سرزمین پر مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے کون کس طرح
 سرگرم کار رہا اور کس نے انگریزوں کے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہونے کو اپنی زندگی کا مطمح نظر قرار دیا اور
 انشاء اللہ العزیز کوئی بات بے دلیل اور بلا حجاز نہیں کہی جائے گی۔ اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی صحابہ
 کے بارے میں انہی حضرات کی کتابوں اور مضامین کے حوالے دیئے جاتے ہیں، جن کے یہ مدّعی ہیں۔
 قارئین کرام تلاکشر حق کے ہندسے سے ان سطور کو پڑھیں۔

تو میندار کہ ایں قصہ زخودی گوئم

گوشش نزدیک لبم آ کہ آوانے ہست

اس مقالے کے مطالعے سے قارئین کرام پر واضح ہو گا کہ جہاں فضل حق خیر آبادی
 انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں اس کی سزا بھیجتے ہیں وہاں
 اسماعیل دہلوی اور ان کے پیرومرشد سید احمد بریلوی انگریزوں کی دھتیں اٹھاتے ہیں۔ ان کی عملداری
 میں اطمینان سے زندگی گزارنے پر شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کے ایما پر سکھوں سے جہاد کو نصب العین
 سمجھتے ہیں۔ ایسے میں برصغیر کی آزادی کی تاریخ میں جب یہ لوگ اپنے ان مجاہدین کا ذکر کرتے
 ہیں تو ہنسی آتی ہے۔

مثال ایسی ہے اس دورِ غرور کے ہوشمندوں کی

منہ ہوا من میں فزہ اور حسرت نام ہو جائے

”بزرگ سید احمد بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرے درجے کا مخفی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سود ہے کبھی کچھ آئے جاتے گا نہیں“

”حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی، مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۲۷۱“

یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے اور اپنے ان پڑے پیر و مرشد کی جہالت کو (نعوذ باللہ) محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مشابہت بھی قرار دے۔

”آپ (سید احمد صاحب) کی ذات والا صفات ابتداء فطرت سے جتا ب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی اس لیے آپ کی لوح فطرت علوم رسمہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دشمنوں کی راہ و روش سے خالی تھی۔“

صراطِ مستقیم از اسماعیل دہلوی ص ۳، مطبوعہ مطبع احمدی لاہور

اسی کتاب کے صفحہ ۳ پر صدیقیت کی آڑ میں دعویٰ نبوت کیا گیا ہے۔ اس پر بھی انہیں ”علماء کی قیادت اور زمانے کی سیادت کا دعویٰ تھا۔“

پھر سید احمد صاحب کے سب سے بڑے نام ایوا محمد جعفر تھا نیسری اپنی کتاب ”سوانح احمدی“ میں ”بیان خلفاء حضرت سید احمد صاحب“ میں رقم فرماتے ہیں، ”أول اور افضل سارے خلیفوں کے مولوی عبدالحی صاحب دہلاد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز کے ہیں۔ دوم مولوی مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید یہ دونوں بزرگ بمبزلہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے آپ کے یار وفار اور جہاں شمار تھے۔“ (سوانح احمدی از محمد جعفر خٹا نیسری، ص ۱۴۰)

ملاحظہ فرمایا آپ نے، مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی بالکل اسی طرح اپنے ساتھیوں کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ گروانا اپنی بیوی کو ام المؤمنین کہا اور ان کے ہاتھ دالے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین برحق کے مقابلے پر

اسی طرح ایک نیا دین کھڑا کرتے ہیں جس طرح سید احمد کی اٹھان ہے۔ انہی لوگوں نے کہا
 "اگر حضور جیسے اور نبی آجائیں تو بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔" شاید مسلمانوں
 نے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کی کہ کیا یہ سب کچھ نئے نئے نبی پیدا کرنے کی خواہش
 کا اثر تو نہیں ہے۔

مصلحت نیست کہ از پرده بُروں افتد راز

ور نہ در محفل رنداں خبرے نیست گرفت

میں کہت تو یہ چاہتا ہوں کہ چونکہ تھا میری صاحب کے بقول سید احمد اور اسماعیل دہلوی
 میں (نحوذ باللہ) محمد و عمر کا تعلق ہے اس لیے مجھے معاف کیا جائے۔ اگر اسماعیل صاحب کے
 ذکر میں ناگزیر طور پر سید احمد صاحب کا ذکر آجائے۔

میں نے جن دور ستوں سے اپنے اس مضمون کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ معاندین حق کے قلم کاروں کی تعداد
 زیادہ ہے، ان کے ہاتھ میں قلم ہے، ذرائع ابلاغ پر ان کا کنٹرول ہے، ان کے اپنے بہت سے رسالے ہیں،
 وہ سب تم پر چل پڑیں گے، ان میں حق کہنے کی آزد و کاٹھا نہیں دیا سکا جو شخص جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس
 پر کوئی قدر نہیں اور وسائل کی کثرت اگر گنہ گشت بھی کرے گی تو چشم مار و شن، دل ماشاؤ مجھے پڑاں
 اسماعیل دہلوی سے اس بات کی توقع نہیں کہ وہ حقیقت کو قبول کر لیں گے، اس خیال است محال است جنوں
 اس وقت میں قدیموں کے نشان ڈھونڈ رہے ہیں

ہ۔ اس وقت میں قدیموں کے نشان ڈھونڈ رہے ہیں

ہ۔ اس وقت میں قدیموں کے نشان ڈھونڈ رہے ہیں

وہ وہ خدائی سے واقف ہیں اب ان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور لوگوں کی نگاہوں میں حصول جبروت
 چاہتے ہیں مگر طالبان حق اس امر کی طرف منور و توجہ دیں کہ میں حوالے انہی لوگوں کی تصانیف نقل کر رہا
 ہوں، اب ان کی باتیں دہرانے پر بھی ہفت طعن و تفریع بنایا جاتا ہے تو سر تسلیم خم ہے جو مزاج یا میں آتے

ہ۔ اور دنیا سے بھلائی کا صلہ کیا ملتا

آئینہ میں نے دکھایا تھا کہ پتھر برے

جنگِ آزادی

اور

فضلِ حق خیر آبادی

صاحبِ علم و فضل

دیکھتے کیوں ہو شکستِ اتنی بلندی کی طرف
 نہ اٹھایا کرو سر کو کہ یہ دستار گرے

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دینی مسائل پر گفتگو کرنا میرے دائرہ کار سے باہر ہے۔
میں زیرِ نظر مقالے میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی سیاسی سرگرمیوں کو زیرِ
بحث لانا چاہتا ہوں، اس لیے علمی مسائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ بتانا ہوں کہ مشہور اہل علم و
دانش حضرات کے علاوہ علامہ فضل حق کے مخالف بھی ان کے علم و فضل کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟

”انقلاب سن سنناون سے پہلے دہلی کی ادبی فضا جن عناصر و اربعہ سے ترتیب

پا رہی تھی، وہ سبھی چار ہستیاں تھیں، مولانا خیر آبادی، مفتی صدر الغین آزاد،

مرزا غالب اور حکیم مومن۔“ (غالب نام آور ص ۸۱)

نادر مسیتا پوری

سر سید احمد خان علامہ فضل حق سے دینی اور سیاسی ہر دو لحاظ سے مختلف رائے
اور عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ ان کے دل و دماغ پر علامہ کی دانش و حکمت کے
اثرات کتنے گہرے ہیں،

”جمیع علوم و فنون میں کتنا سے روزگار ہیں اور منطق و حکمت کی تو گویا انہی
کی فکرِ عالی نے بند ڈالی ہے۔ بار بار دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو لگاتار
فن سمجھتے تھے۔ جب ان کی زبان سے ایک حرف سنا، دعویٰ کمال کو فراموش کر کے
نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے۔ بایں ہمہ کمالاتِ علم و ادب میں ایسا علم و فراہی
بند کیا ہے کہ فصاحت کے واسطے ان کی شمشیرِ محضر خروج معاصج ہے اور

بلوغت کے واسطے ان کی طبع رسا دست آویز بلند فی معارج ہے۔ صحبان کو ان کی فصاحت سے سرمایہ خوش بیانی اور امرا القیس کو ان کے افکار بلند سے دستگاہ عروج معافی، الفاظ پاکیزہ ان کے رشک گو ہر خوش آب اور معافی رنگیں ان کے غیرت لعل ناب، سر و ان کی مسطور عبارت کے آگے پاہر گل، اور گل ان کی عبارت رنگیں کے سامنے نخل، زگس اگر ان کے سولو سے نگاہ ملا دیتی، مصحف گل کے پڑھنے سے عاجز نہ رہتی اور سوس اگر ان کی عبارت فصیح سے زبان کو آشنا کرتی، صفت گویائی سے عاری نہ ہوتی۔

(آثار القنادید از سر سید احمد خاں ص ۲۸۱)

مولوی رحمان علی علامہ فضلی حق کے معاصر تھے، وہ منطق، فلسفہ، حکمت، ادب، کلام اور اصول اور شاعری میں فضل حق کے تخصص اور امتیاز کے متعلق بتاتے ہوئے عظیمیہ نام کی جنگ آب آزادی میں ان کے کردار اور اس کے نتیجے میں ان کی قید اور شہادت کا ذکر کرتے ہیں، ”در علوم منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر فائق الاقران و استحضار سے فوق البیان داشت، نقش زامید بر چہار سزار اشعار خواہ بود... انگریزان اور ایزمانہ فساد ہند قید کردہ یہ جزیرہ رنگون فرستادند ہم در ان جا بتاریخ دوازدهم صفر سال دوازدہ صد و ہفتاد و ہشت ہجری وفات یافتہ“ (تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی)

(مطبع نوکلشور لکھنؤ ۱۹۹۱ء ص ۱۴۴) اور دوسرا ترجمہ پاکستان ہسٹریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۸۲ء ص ۳۸۲

”آب حیات“ از محمد حسین آزاد ص ۵۱۲ / اور یادگار غالب ص ۱۰۲ میں ہے،

”مولانا فضل حق اور مرزا خانی نے دیوان غالب سے مشکل اشعار خارج

کر دیئے اور نوٹس کے قریب حصہ نکال دیا اور ان کی رہنمائی سے غالب

نے اس رکوش پر چنانہ ترک کر دیا۔“

اسد اللہ خاں غالب پر مولانا فضل حق کے اثرات کا ذکر دوسری کئی کتابوں میں بھی تو اترو تلسل کے ساتھ کیا گیا ہے، مثلاً،

”اگر مولوی فضل حق ادران کے رفقاء کی صحبت کا فہم اتنا ہی اثر ہو تا کہ وہ (غالب) شاعری میں اپنی غلط روش کو چھوڑ کر ایک معتدل راہ پر آجائے، تو یہ بھی کچھ معمولی بات نہیں تھی، مگر اس سے بھی زیادہ قابل قدر کام غالب کی اخلاقی اصلاح کا سما؟“
 (ذکر غالب، از مالک رام، ص ۴۳)

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں،
 ”مولوی فضل حق، غالب کے سب سے بڑے محب اور محسن تھے، انہوں نے نہ صرف مرزا کی شعر و سخن کے میدان میں رہنمائی کی، جو ان کا اصل دائرہ عمل تھا، بلکہ ان کی مالی مشکلات دور کرنے کی بھی کوشش کی۔“

(”غالب نامہ“ از شیخ محمد اکرام، ص ۵۴)

بحوالہ غالب کے کلام میں الحاقی عناصر از نامہ سہیناپوری ص ۲۸، ۲۹
 ”جن (مرزا غالب) کی نظر میں بڑے بڑے شعرا ملنا نہیں چھتے تھے۔ مولانا (غیر آبادی) کی بڑی تعلیم اور عزت کرتے تھے، چنانچہ جب وہ دہلی سے سرشتہ داری لے کر چھوڑ کر جانے لگے، تو مرزا نے آئینہ سکندر میں اشاعت کے لیے ایک تقریر بھی، جس کا آخری جملہ یہ ہے: ”حقاکہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و سنش مولوی فضل حق ہیں مایہ بکا ہند کہ از صدیک داماد و باز آل پایہ رابہ سرشتہ داری عدالت دیوانی سجنہ ہنوزیں عہدہ و دل مرتبہ و سہ خواہد بود۔“

(مرکز دست غالب، از ڈاکٹر محمد الدین قادری، دور، ص ۵۹)

(غالب نے) انہی کی نسبت یوسف مرزا کے نام ایک خط میں لکھا، مولانا کا سال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا، کچھ مجھ سے تم معلوم کرو، اور افسوس میں حکم دوام جس بجاں رہا۔

بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد و ریاستے شہر (کالابانی) کی طرف روانہ کرو؟ اکتوبر ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں منشی داد خاں ستیاج کو لکھتے ہیں: ہاں خان صاحب! آپ جو لکھتے پیچھے اور سب صاحبوں سے ملے، تو مولوی فضل حق کا مال اچھی طرح سے دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے لمبی کیوں نہ پائی اور دہاں جزیرے میں اس کا کیا سال ہے؟ (غالب نامہ از شیخ محمد اکرام ص ۱۴۰، ۱۴۱) مرزا غالب مولانا خیر آبادی کے اڑتھال پر شیخ عظیم احمد بگڑامی کو لکھتے ہیں: کیا لکھتوں اور کہوں، نور آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور ہاتھ میں، عرش طاری ہے، کان سماعت سے عاری ہے ۵۔

عناپ عروساں در آمد بجوش

سراجی تہی گشت وساقی غموش

فخر ایجاد و تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مرہائے، غالب نیم مرود، نیم ہل رہ جائے ۵۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی

موت آتی ہے، پر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی

اب کسی بات پر نہیں آتی ۵

(ماہنامہ اردو سے معلق علی گڑھ، دسمبر ۱۹۰۷ء، ص ۳۲)

جب تک اہل قلم کے ذہن و احساس پر محمد و حزبی مفادات نے لیخار نہ کی تھی اور اس کے لیے انہوں نے تاریخ کو مسخ کرنے کا عمل شروع نہیں کیا تھا۔ اہل انش کے قلم اور زبان کے اس جید عالم اور بے مثل و بے نظیر فاضل شخصیت کے حق میں لکھا اور کہا جاتا رہا مولوی محمد الدین روضۃ اللہ ہاؤ میں لکھتے ہیں،

”مولوی فضل حق بن مولوی فضل امام خیر آبادی عالم اہل اور فاضل سبیل
حاوی فروغ و اصول و جامع معقول و منقول تھے۔۔۔۔۔ اساتذہ وقت آپ کی
شاگردی فخر بہانتے تھے۔۔۔۔۔ مولانا کو علم فلسفہ اور ادب میں یدِ طولیٰ تھا۔۔
دہلی میں آپ عہدہ جلیلہ اور منصب عظیمہ پر مقرر تھے اور سرکارِ انگلشیہ کی قید
میں جزیرہ آئرلیمان میں جس کو کالا پانی کہتے ہیں جا کر سترہ برس فوت ہو گئے“

(روستہ الادب، ص ۱۲۸)

پاکستان کے نامور محقق ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور سندھ پاک کے عظیم نقاد و دانشور
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی سرکردگی اور نگرانی میں پنجاب یونیورسٹی کے عظیم منصوبے اُردو دائرہ
معارفِ اسلامیہ میں مولانا فضل حق کے متعلق بڑی انصاری نے لکھا ہے :
”۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو مولوی فضل حق نے اس بغاوت
میں نمایاں حصہ لیا۔ بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا اور عرقید کی سزا دی۔“

(اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱، ص ۳۷۵)

سید سلیمان ندوی نے علامہ کے فضل و شرف کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے
ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ ان کے سیاسی کردار کی عظمت کے نقوش کتنے گہرے ہیں :
”مرحوم (مولانا فضل امام) کے باشعور، صاحبِ ارادہ اور شاگرد مولانا فضل حق
صاحبِ خیر آبادی تھے جن کے دمِ عیسوی نے معقولات میں روح چھوٹی کہ ابھی بیٹھا
وقت مشہور ہوئے۔ دیارِ اطراف سے غلبہ نے ان کی طرف رجوع کیا اور منطق و فلسفہ
کو نئے طور سے ملک میں رائج دیا۔ اندر کے منہامہ میں گرفتار ہو کر جزیرہ آئرلیمان
سیجے گئے اور وہیں سترہ برس قاتِ پائی۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے تلامذہ
اور تلامذہ در تلامذہ نے سلسلے ملک میں پھیل کر علومِ معقول کو بڑی رفتاری دی اور بڑے
بالکمال مدرس ثابت ہوئے۔“ (حیاتِ شبلی، از سید سلیمان ندوی، ص ۲۳، ۲۴)

اپنے عہد کے اس عظیم صاحب علم و دانش کے فضل و ہنر کے ساتھ ان کی سیاسی خدمات کے متعلق محمد اسماعیل پانی پتی لکھتے ہیں،

”علامہ فضل حق نے ہر عہد کے ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف سخت جہد لیا جس کے نتیجے میں گرفتار کر کے کالے پانی بھیج دیے گئے۔ جہاں اس فاضل اجل عالم بے بدل نہایت کمپرسی میسے اور لاچار کی حالت میں ۲۰ اگست ۱۹۶۱ء کو انتقال کیا اور علم و دانش اور فضل و ہنر کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ (حاشیہ مولانا محمد ونا مولوی فضل حق، مقالات سرسید، حصہ شانزدہم، ص ۳۳۰)

منشی محمد اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی کو بھی جنگ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں کالے پانی کی سزا ہوتی تھی۔ مفتی انتظام اللہ شہبانی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں،

”انڈمان میں زیادہ وقت مولانا فضل حق کی صحبت میں گزرتا تھا، چنانچہ آپ کے متعلق ایک قصیدہ میں کہتے ہیں یہ

زُشکِ زلیخا ہوتی بھر صفتِ جوشِ ن غرقِ ہوائیل میں یوسفِ گل پر بہن
مُحزنِ فضل و کمال، عالمِ عالی مقام ناقدِ بازیِ زبان، فیضِ شناس سخن
مولوی بے نظیرِ فضل حق اہم شریعت وہی سے ہاں لکھنؤ مشہور و موتمن
قید میں ہیں اور وہ بہتے تھے ایک ہی گہرے عینِ سمندر میں تھے عرقِ بحرِ ممن

نصفِ قصیدہ کیا ہے ملنے ان کے رقم
ختم ہوا جب تھے وہ ہمدم گور و کفن

(غدر کے چند علماء، ص ۷۶، ۷۷)



انگریزوں کے خلاف فتوائے جہاد

کرسنے اپنے دل کے لہو سے لالہ و گل میں رنگ بھرا
جن کو دعویٰ ہو گلشن پریم سے آنکھیں جا کریں

آج کچھ لوگوں نے تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنے اور جنگ آزادی کے مسدود رہنماؤں کے خلاف فضا پیدا کرنے کی کوشش میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ علامہ فضل حق خیر آبادی نے نہیں دیا تھا۔ مالک رام کہتے ہیں انگریزوں کے خلاف فتویٰ پر علامہ کے دستخط نہیں تھے۔ محمد ایوب قادری بھی اپنا سارا زور تحقیقی اسی پر صرف کرتے ہیں۔ ان کے اس مفروضے کی تردید میں حکیم محمود احمد برکاتی نے فضل حق اور سن ستاون میں مسکت لائل ٹبرین سے اس کے تار پود بکھیرے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت چاہا کہ فضل حق خیر آبادی کی قربانیوں پر اپنی مصلحتوں اور مخالفتوں کے پردے ڈالیں، مگر ان کے کردار کی پختی عزم کی سلامتی اور استقلال و جہت کی جرات پر نظر ڈالیں، تو یقین آتا ہے ۔

اُکے گرا تھا ایک پرندہ لبو میں تر

تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

میں آپ کو صرف علامہ کے فتوے کی صدائے بازگشت سُننا، ہوں !

علماء نے جن جس طرح بغاوت کو منظم کیا اس کو مفصل بیان کرنے کے لیے تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے، مگر ان کا کچھ تذکرہ ان صفحات پر کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے بڑے بڑے مورخ بھی انکار کی جرات نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ علماء عوام میں بے حد مقبول تھے۔ ان کی تحریر و تقریر کا بڑا اثر ہوتا تھا، چنانچہ

دہلی میں جنرل بخت خان کی تحریک پر مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علماء نے جو جہاد کا فتویٰ دیا، اس کے بارے میں مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے بھی اپنی تاریخ میں اقرار کیا ہے کہ اس سے مذہبی جوش و خروش بہت بڑھ گیا تھا۔
(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، از نور شیعہ مصطفیٰ معنوی ص ۴۵۵)

غلام رسول قہر یہ بات غلط ثابت کرنے کے زعم میں کہ مولانا فضل حق ہی کے دم سے جنگ آزادی کی تحریک میں جان چرگنی تھی، یہ مہجول گئے کہ وہ فتویٰ کی تائید کر کے اپنوں کی ٹھاپوں میں بھی مطعون ہو رہے ہیں۔ اسمعیل دہلوی کے یہ تذات مہر حال کسی نہ کسی طرح اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ فتویٰ کے سلسلے میں فضل حق کی کارکردگی سب سے نمایاں ہے اور وہ نہ ہوتے تو اس فتویٰ کا وجود ہی نہ ہوتا۔

”مولانا فضل حق خیر آبادی اس کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی لوگوں نے جہاد کا بیج بند کر رکھا تھا۔ مولانا پہنچے تو مسلمانوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب ہوا جس پر علماء دہلی کے دستخط لیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورے سے تیار ہوا تھا اور انہی نے علماء کے نام تجویز کیے، جن پر دستخط لیے گئے۔“

(”مسئلہ ۱۸۵۷ء کے مجاہد“ از غلام رسول مہر، ص ۲۰۶)

پاکستان کے نامور شاعر ناصر کاظمی اور مشہور کالم نویس استطار حسین کی ادارت میں شائع ہونے والے مجلہ ”خیال“ کے سن ستاون نمبر میں شکور احسن صاحب مفتی صدر الدین آذر قہر پر مضمون لکھتے ہوئے علامہ کے فتویٰ جہاد کا ذکر کرتے ہیں،

”جب برطانوی استعمار کے خلاف ۱۸۵۷ء کا جنگ شروع ہوا تو بعض شاعروں ادیبوں اور خاندانوں نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا اور انگریزی حکومت کا اقتدار بحال ہو جانے کے بعد ان پر مصیبت کے پیار ٹوٹ گئے۔ مولانا فضل حق کو جہاد

کا فتویٰ صادر کرنے کے جرم میں انڈیمان بھیجا گیا۔ مہبانی کو پھانسی کے تختہ پر لٹکایا گیا، شیعہ کو قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ۹۰

(خیال لاہور اسٹاؤن نمبر، ص ۲۶۸)

مفتی صدر الدین آذہہ ہی کے بیان میں مفتی انتظام اللہ شاہابی فتویٰ جہاد کی تیاری کی ساری ذمہ داری مولانا فضل حق پر ڈالتے ہیں،

”ہنگامہ ۱۹۵۷ء میں رونما ہوا، مولانا فضل حق انور سے دلی آئے۔ جنرل بخت خان نے نقشہ اقتدار جہاد کھینچا۔ استفادہ مولانا نے لکھا۔ مفتی صاحب و دیگر علماء نے فتویٰ دیا۔ ۱۰۰۰۔ مولانا فضل حق کو اقرار جرم پر انڈمان جانا پڑا۔“

(نذر کے چند علماء، از انتظام اللہ شاہابی، ص ۴۸)

رئیس احمد جعفری تمام عمر آزادی کی تحریک کی جہاد کیات کھنگالتے رہے، دعا پڑھی، مہم کتاب ”جہاد شاہ ظفر اور ان کا عہد“ میں لکھتے ہیں،

”مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ان کو فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بناوت میں انڈمان بھیج دیا گیا۔“

(جہاد شاہ ظفر اور ان کا عہد، از رئیس احمد جعفری، ص ۳۱۵)

جب بھی کوئی مورد تاثرات و تعصبات سے قطع نظر کر کے، ۱۹۵۷ء کا سال لکھے گا تو مجبور ہوگا کہ علامہ فضل حق کے فتویٰ جہاد کا ذکر کرے۔ محمد اسماعیل پانی پتی اپنے مضمون ۱۹۸۵ء میں علماء کرام کا حصہ میں فضل حق کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں،

”جب ۱۹۵۷ء کا ہنگامہ عظیم دہلی میں رونما ہوا، تو علامہ فضل حق خیر آبادی،

فورا دہلی پہنچے اور جہاد کا فتویٰ دیا۔ جنرل بخت خان کمانڈر انچیف افواج ظفر سے ملے

اور اس کی بڑی اعانت اور امداد کی۔ ۱۰۰۰ لکھتے ہیں ان پر مقدمہ قائم ہوا نہایت

میاں کی اور صفائی کے سامنے بغیر ذرہ جھرنیکا پا بٹ اور تہذیب کے اقرار کیا کہ ماں

میں نے فتویٰ لکھا اور اس پر دستخط کیے اور جو کچھ میں نے کیا، اپنے خیال میں ٹھیک کیا۔ (ذیل و نہار لاہور، جنگ آزادی نمبر ۱۸۵، ص ۲۸)

پاکستان کے مشہور جریہ تحقیق الزمیر کے تحریک آزادی نمبر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ مولانا فضل حق نے جامع مسجد میں فتویٰ پڑھ کر سنایا۔ علماء سے دستخط کر لئے، اس فتوے کی اشاعت سے جہود چہرہ آزادی میں زور پیدا ہوا اور آخر میں مقدمہ کے موقع پر علامہ فضل حق نے اس بات پر اصرار کیا کہ یہ فتویٰ انہوں نے لکھا ہے اور اب ہم اپنی رائے تبدیل نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔

”مولانا فضل حق نے ایک دن بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں انگریزوں کے خلاف فتویٰ پڑھ کر سنایا، تو بہنوں کے لیے باعث تشویش بنا۔ اس فتویٰ پر مفتی صدر الدین آفریدہ اور دوسرے پانچ علماء کے دستخط تھے اس کا شائع ہونا خفا کا جہود چہرہ نے ایک نیا زور دیکر لڑا اور جگہ جگہ انگریزوں کے چٹکے چھوٹ گئے.... تازہ سچ ڈکار اڈہ کے مطابق اس فتوے کے بعد صرف اہلی میں تو سہ ہزار سپاہ جمع ہو گئی.... سرکاری وکیل کے مقابلے میں انہوں نے خود بحث کی اور سب الزام ایک ایک کر کے رو کر دیئے، لیکن فتوے کے بارے میں آخر تک اڑے نہ تھے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری رائے یہی ہے۔“

(صہ ماہی الزمیر بہاول پور، تحریک آزادی نمبر ۱۹۰، ص ۹۲)

مفتی انتظام اللہ صاحب نے علامہ فضل حق کے خلاف بہت کچھ لکھا جس کا خلاصہ نامہ سیتا پور جیسے ادیب نے بھی نہایت دکھ کے ساتھ اظہار کیا ہے اور دلائل کے ساتھ ان کے الزامات کی تردید بھی کی ہے، مگر علامہ کے فتویٰ جہاد کے تو وہ بھی منکر نہیں ہوئے۔ اصل میں جیسا کہ میں پہلے کہ چکا ہوں، مقصد ان سب حضرات کا ایک خفا جو نیک نہیں تھا کہ فضل حق کے خلاف لکھا جائے اسی لیے ان کے خیال و فکر میں مطابقت نہیں پاتی جاتی اور کسی نہ کسی پہلو سے کسی نہ کسی منہ سے سچی

بول سکتا۔“ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی اشرف المصطفیٰ، اشرفی ص ۵۲)
مکتبہ برہان دہلی کی شائع کردہ کتاب ”جنگ آزادی اٹھارہ سو ستارہ“ از غور شید مصطفیٰ

رضوی ہیں ہے۔

”کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء قریب آنے پر آپ (فضل حق) نے اکثر والیان
ریاست کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی آگئے
اور یہاں جنرل بخت خاں کی تحریک پر جہاد کا فتویٰ مرتب کر کے پیش کیا۔

جس سے مسلمانوں میں بیدار ہوئی و غرور پیدا ہو گیا۔“
لکھنؤ میں مقتدر چلا جس میں حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مولانا بڑی
ہوجائیں، مگر آپ نے ہر سرِ عدالت کہہ دیا کہ میں نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور
آج بھی میری وہی رائے ہے۔“

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۵۸، ۵۹، ۶۰)

مذاہم فضل حق کی کتاب ”الثورة الهندیہ“ کے اردو ترجمے کے مقدمہ میں مفتی لائبریری

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اورینٹلٹ محمد عبدالشہید خاں شروانی لکھتے ہیں:

”اس زمانہ کو دیکھنے سے اس وقت کے خوفناک حالات کا نقشہ سامنے آتا
ہے اور نصاریٰ کے خوفناک عوام کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ہندوستان کی رعایا
کے غمے میں دائمی غلامی اور نصرا نیت کا پتہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور غلام
مجاہدین کا ایسے موقع پر اعلان جہاد کس قدر بروقت اور ضروری تھا۔ مگر خیر آبادی
کا رجب ۱۲۵۷ھ میں باغیوں کے سامنے یا اعلان حق ہمیشہ آپ زبردست لکھا جاتا
رہے گا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری ہی رائے

ہے۔“ (مقتدر باغی ہندوستان از محمد عبدالشہید خاں شروانی)

مصطفیٰ مکتبہ ہند در پید۔ المدرون کوٹہری دروازہ لاہور)

جن لوگوں نے بوجہ فضل حق کو عظمت و استقلال کی مسندِ جلیلہ سے ہٹانے اور ان کے کارناموں کو لوگوں کے دماغوں سے محو کرنے کی خاطر خامہ فرسائی کی ہے۔۔۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ ان کے خیالات میں تطابق نہیں ہے، لیکن حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ پروفیسر محبوب قادری جو آجکل پاکستان میں علامہ فضل حق کے فتویٰ جہاد کے سب سے بڑے دشمن ہیں، وہ بھی اپنی ایک کتاب میں ان کے فتوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ بعد میں شاید کسی خاص وجہ سے انہوں نے حق کی راہ پر چلنے کی روشنی پر نظر ثانی کر لی اور اب دوبارہ حق کو قبول کرنے کی راہ میں وقت کی ضرورت "یا ان کی اُٹا مائل ہے"۔

اے کہ می گوئی کہ می آسم، مئی آئی چسہ

پائے شوق را مگر نگہ حیا زنجیر پاست

"دہلی میں ہواؤں نے غفر نے خود مختاری کا اعلان کر دیا، مولانا فضل حق فیروز آبادی نیز دوسرے علماء دہلی میں موجود تھے۔۔۔۔۔ جنہاں بخت خاں کے شوشے سے علامہ فضل حق فیروز آبادی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجدِ نبوی میں جہاد کی اہمیت، ضرورت پر تقریر کی اور جہاد کا استفتاء مرتب کر کے پیش کیا۔ جہاد کے فتویٰ کی تیاری میں جنرل بخت خاں کی کوشش خاص تھی؟ (جنگِ آزادی، ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد، مولانا فیض احمد بدایونی)

(امجد القیوم قادری، ص ۲۲، ۲۱)

پاکستان کے مشہور محقق ڈاکٹر ابوالعباس صدیقی نے جنگِ آزادی میں صرف لبِ لہجہ سے نشانہ دیکھنے والوں کو یاد دلایا ہے کہ علامہ فضل حق بے خطر اس آگ میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے دماغ کیا ہے کہ سردار بھی اعلانِ حق سے باز نہ آنے والے علامہ فضل حق جو قدم اٹھا چکے تھے اور جو کچھ چکے تھے، اس پر آفرودم تک قائم رہے۔

بات بن سکتی نہیں کوئی صداقت کے بغیر

تیر کی پشت پہ کردار کہاں موتا ہے

ڈاکٹر ابو الیث اپنے مضمون مولانا فضل حق غیر آبادی میں کہتے ہیں،
 ”مسلمانوں کو عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کے لیے آخری مرتبہ جان کی بازی
 لگا دینے پر آمادہ کرنے کے لیے ایک باقاعدہ فتویٰ جہاد کا جاری کیا گیا، جس پر منتظر
 کرنے والوں میں مفتی صدر الدین آزادہ اور مولوی فضل حق بھی شریک تھے۔ مولانا
 فضل حق نے فتوے کے بعد جگہ جگہ دورے کیے اور بالآخر وہی پہنچ گئے۔ اس
 زمانے میں ان کی سیاسی سرگرمیوں کا اندازہ جیون لال کے روزنامے سے ہوتا ہے
 جس میں اس نے مختلف تاریخوں میں مولانا کا قلعے کی مجلس مشاورت میں شریک ہونا
 بیان کیا ہے۔ مولانا فضل حق کے مشورے صرف قلعہ محلی کی پوشیدہ مجلسوں تک
 محدود رہتے۔ وہ جہل بخت خاں سے ملے مشورے ہوتے اور آخر میں بعد از جمعہ
 دلی کی لال مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور فتویٰ پیش کیا۔“

(خیال لاہور سن ستاون نمبر ص ۶۳-۶۴)
 پاکستان میں دیوبند مکتبہ فکر کے آئین ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے ایک مضمون کے
 چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

”ہر اہم تاریخ کا اس نے اپنے حافظہ سے ایسی ایسی جانتاڑاں حق گو بہادر اور
 جامع کمالات شخصیتوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا، جنہوں نے اپنے دور میں
 وقت کے تیز و تند طوفانوں سے بے خوف و خطر نکلنے اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ مولانا
 فضل حق رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے ان حوالہ مراد و زندہ مجاہدین میں سے تھے جن کی جرات
 و بہمت اور حق گوئی و بے باکی نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا، مگر تاریخ کے صفحات میں
 ان کو شایان شان کیا، کوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی۔۔۔۔۔“

مولانا فضل حق غیر آبادی نے افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان
 حجاب کا فریضہ ادا کیا اور اپنی عمر میں ایمان میں حسیں و دام کی نذر کر دی۔۔۔۔۔

علامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دے کر
مسلمانوں کو عدم تعاون پر آمادہ کیا۔۔۔۔۔

مولانا فضل حق بھی ”باطنی قرار دیئے گئے“ سلطنتِ مغلیہ کی دغا داری
فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرمِ بغاوت میں مولانا مانو ذکر کے سیتا پور سے لکھنو
لائے گئے۔“

دعویٰ ”مولانا فضل حق خیر آبادی از مستقیم احسن سامدی فاضل دیوبند

ہفت روزہ حسام الدین لاہور ۲۳ نومبر ۱۹۱۰ء ص ۱۱۰

جناب حسین احمد مدنی ان سب محققین کے مدّرج ہیں جو اپنے آپ کو فضل حق کی نفی
پر مامور سمجھتے ہیں۔ آپ ان کی تحریر کا لطف اٹھائیے اور دیکھئے کہ خدا کے شیر کی گرج کیارنگ
دکھاتی ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کی استقامت کا حال حسین احمد مدنی کی زبانی کیسے،
علامہ فضل حق اپنے فتویٰ جہاد پر مفتخر ہیں اور اس الزام سے بریت کے بجائے اس کی پاداش
میں ہر سزا بھیگنے کے لیے ہمت تن تیار۔

”مولانا نے اپنے اوپر جس قدر الزام لیے تھے، ایک ایک کر کے سب رو
کر دیئے، جس خبر نے فتویٰ کی خبر کی تھی۔ اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔
فرمایا، پہلے اس کو گواہی پر سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی، اب
عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا، وہ فتویٰ صحیح ہے
میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وی رٹے سے۔۔۔۔۔
راجہ بابار عن مذکورہ کہ تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، پھر سب عدالت کا مدّرج اور
علامہ کی۔۔۔۔۔ پھر تیار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ
بی دیا تھا کہ۔۔۔۔۔ مولانا فضل حق نہیں، وہ دوسرے تھے، گو، عربی صورت ہی
اکبر علی میر جی سے سبب انتہا متاثر ہو چکا تھا، مگر علامہ کی شبانہ۔۔۔۔۔“

قرآن بابیے خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے: وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے،
اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔

نالہ از ہر ربانی نہ کند مرغ اسیر
خورد اسوس زمانے کو گرفتار نہ بود

(فتیش حیات از حسین احمد مدنی، ص ۶۲)

حسین احمد مدنی صاحب اپنی دوسری کتاب تحریک ریشی رومال میں پھر اس خیر حق کی
شان استقلال پر قربان ہو رہے ہیں۔ فضل حق نے صرف فتویٰ ہی نہیں دیا۔ جب اہل مذہب آزمائش
کی گھڑی آئی مقدمے میں پیش ہوئے، تو اس فتوے پر اصرار کیا اور آزادی کے قاصدوں کے
خلافت جنگ کو اس وقت بھی ضروری قرار دیا۔

ضرب خیال سے کہاں ٹوٹ سکیں گی بیڑیاں،

لکیر چمن کے ہر کاب جوڑن جڑن بھی چاہیے

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کو جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے،
اور بریلی علی گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے دوران تحریک میں گورنر تھے، آخر ان
کو گھر سے گرفتار کیا گیا، جس خبر نے ان کو گرفتار کر لیا تھا، اس نے انکا رد کیا کہ مجھے
معلوم نہیں، فتویٰ جہاد پر جس نے دستخط کیے ہیں، وہ یہ فضل حق ہیں، بگوتی اور میں۔
..... مولانا نے فرمایا: تجھ نے پہلے جو رپورٹ لکھوائی تھی وہ بالکل صحیح تھی
مستوفی میرا ہے، اب میری شکل دھورنہ سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بولی ہو گئی
نرواں، جیسے علامہ کی شان اس استقلال پر خدا کا شیر گرج کر کہہ رہا ہے کہ میرا اب بھی یہی
نہدہ ہے کہنا شیر غاصب ہے اور اس کے خلاف جہاد لازم ہے یہاں تک کہ
"بھڑی ہوا گرنے میں نہ جان کی پر لیا خیر برکت" اور سلطان میر، ص ۱۰۶،
درمطابق کی طرح میر بھی گرنے کے ہاتھ نہیں بچا سے بختہ۔ کی طرح ہوا، ص ۱۰۶

سمجھتے ہیں۔ ”محرک رشیدی رومال“ از حسین احمد مدنی، ص ۶۵، ۶۴
 اور اب آخر میں یہ بھی دیکھئے کہ جب علامہ پر مقدمہ چلتا ہے، تو کیا ثابت ہوتا ہے۔
 فیصلے کا ایک حصہ نذر قارئین ہے۔ علامہ فضل حق کے فتوے ہی کی بنیاد پر مقدمہ ان کے خلاف
 فیصلہ ہوا اور انہیں کالے پانی کی سزا ہوئی، اس فیصلے کے بعد اب بھی یہ کہنا کہ انہوں نے فتویٰ جماعہ
 پر دستخط نہیں کیے تھے، کیا کہلائے گا؟

تم ہی مسئلہ کو کہ ہم مسئلہ تیں کیا

”عدالت دو ججوں پر مشتمل تھی، جارج کیمل جج و فضل کشمر اور میجر بارن
 قائم مقام کشمیر شیر آباد ڈویژن، اس مشترکہ عدالت نے پھر مارچ ۱۹۵۷ء کو اپنے
 فیصلے میں لکھا.... بہر حال عدالت کی نظر میں ثابت ہے کہ اس موقع پر علامہ نے
 بلا ضرورت مستعدی دکھاتے ہوئے صراحت سے ایسا فتویٰ دیا جس کا مقصد
 قتل کی ترغیب دینا تھا۔ اس نے قرآن کی آیات پر ضمیمہ اور ان کے من مانے
 معنی کیے اور اصرار کیا کہ انگریزوں کے ملازم کافر و مرتد ہیں اور اس لیے شریعت
 کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے، بلکہ اس نے باغی سردار سے یہاں تک کہا کہ
 تم انہیں قتل نہیں کرتے، تو تم خدا کی نظر میں مجرم ہو۔“

(ماہنامہ ”محرک“ دہلی۔ جون ۱۹۵۷ء)

(بحوالہ غالب نام آدم از نامہ سینا پوری ص ۱۱۸ تا ۱۱۷)



جنگ آزادی

میں

فضلِ حق کا عمومی کردار

دُرِ محبت آنچھ می گوئیم، اقل می کنیم
پارۂ بیش است از گفتار ما، کردار ما

علامہ فضل حق رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ جہاد کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ مالک نام اور محمد ایوب قادری کے اس مضمون کی مصناحت جو چچی ہے کہ علامہ نے انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اب آئیے علامہ رسول تہر کی طرف۔ ان کا موقف یہ ہے کہ علامہ فضل حق نے فتویٰ دیا تھا، لیکن صرف فتویٰ ہی دیا تھا، جنگ آزادی کے کسی مرحلے پر اور کوئی خدمت انجام نہیں دی۔

”غالبا یہی فتویٰ تھا جو انجام کار مولانا فضل حق کے خلاف مقدمے کا باعث بنا۔ ورنہ انہوں نے نہ کسی جنگ میں حصہ لیا نہ ان کے پاس کوئی عہدہ تھا نہ کسی کے قتل میں شرکت کی اور نہ ان کے خلاف کوئی اور سنگین الزام تھا۔“
(۱۸۵۷ء کے مجاہد از غلام رسول تہر، ص ۲۰۶)

علامہ فضل حق کے مقابلے میں میاں نذیر حسین دہلوی (امجدیث) نے انگریزی حکومت سے دورانِ غدر سُن کارکردگی کے نفع اور نقد انعامات حاصل کیے تھے، مگر غلام رسول تہر ان کی خدمت جلیلہ کی تعریف میں شریبان ہوتے ہیں۔ اگر حقائق صفحہ قرطاس پر رقم ہوں کہ ان لوگوں کے تداریک تو یہی کی زمین میں کیا کیا گل کھدائے ہیں، تو لوگ حیرت سے انگشت بدندان رہ جاتیں۔
عجب کہ حوصلہ روزگار برتا بہ
اگر ہوں فکرم آسچہ اندرون من مست

رئیس احمد حقاری اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مخالفانہ اور معاونہ انداز میں
”تاریخ“ لکھنے والوں نے مقامہ کے کارناموں کا اخفا ضروری سمجھا ہے،

”مذکورہ مضمون میں ہم نے غدر کے جن ہیرہ قوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے
صرف بخت خان اور مولانا فضل حق خیر آبادی دو ایسی شخصیتیں ہیں جنہوں نے
دہلی کے محاربات غدر میں مرکزی نقشیں ہو کر حصہ لیا ہے۔۔۔۔۔ بخت خان اور مولانا
فضل حق کے احوال و سوانح، واقعات و حوادث کارناموں اور سرگرمیوں کی تفصیل
معلوم کرنا آسان نہ تھا۔۔۔۔۔ غدر کے بعد غدر کا ذکر بھی کتنا روض فرما تھا اور ان
شخصیتوں کا تذکرہ جنہوں نے اس انقلابی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا تھا، اپنی جان
سے اٹھو دھونما تھا۔۔۔۔۔ ان اکابر کا اقل تو مرتبہ اور منضبط صورت میں کہیں فکر
نہیں ملتا اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو مخالفانہ اور معاونہ انداز میں، ان مشکلات
کے باوجود زیادہ سے زیادہ معتبر اور مستند مواد حاصل کرنے کی اپنے مقدور بھر
ہم نے کوشش کی ہے۔“ (”بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد“ - ص ۸۳۴) ۷

خون دل کو صرف گلشن کو مگر یہ سوچ کر
تیرے سر الزام تھرکب خزاں بھی آئے گا

جناب حسین احمد مدنی مولانا فضل حق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ اور ساتھیوں کے جہاد
حزیت میں بڑے ہیروانہ پر حصہ لینے کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ نے جنگ آزادی
میں ہر طرح حصہ لیا، کیونکہ وہ اخلاص کے ساتھ یقین رکھتے تھے کہ انگریزوں کی غلامی ہماری
مٹی زندگی کے لیے زہر قاتل کا دوسرہ رکھتی ہے، اس کے لیے انہوں نے مقدور بھر اضطراب اٹھایا
کیا اور انگریزوں کو زک پہنچانے کے لیے مختلف عملی اقدام کیے ۷

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست
ما زندہ ازا نیم کہ آرام نہ گیریم

”بہر حال مسلمان عداریں سے مولانا احمد راشد شاہ صاحب دلاور بگٹ لکھی اور مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور مولوی امام بخش صہبائی..... اور ان حضرات کے تلامذہ و غیر نے چار و حریت عشتیاء میں پڑھے پیمانہ پر حصہ لیا تھا۔“
 (”نقش حیات“ ص ۴۹۰، از حسین احمد مدنی)

تحریک آزادی کی مشہور تاریخ نگار سیدہ انیس خاتمہ بریلوی علامہ فضل حق خیر آبادی کو طبقہ علماء کا سرگروہ قرار دیتی ہیں،

”خواس میں جنرل بخت خاں، فیروز شاہ، نانا راؤ، نواب تجمل حسین خان، جنرل محمود خان اور حکیم اللہ خاں تھے اور علماء کے سرگروہ مولوی احمد راشد مولوی لیاقت علی اور مولوی فضل حق خیر آبادی قرار پاتے۔“

(”۱۸۵۷ء کے ہیرو“ ص ۷۰)

پرو فیض محمد اتوب قادری اگرچہ فتوے کی تردید کے خیال سے ان کے آخری مرحلے پر دہلی پہنچنے کے قائل ہیں، مگر لکھنؤ میں علامہ کی سرگرمیوں کی زیرب تصدیق کرتے ہیں،

”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا۔ دہلی میں جنگ آزادی کے آخری مرحلے میں پہنچے، لکھنؤ میں جگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر تھے۔ آئندہ میں گرفتار ہوئے، مقدمہ چلا اور جس دوام بعبور دیائے شور کی سزا ہوئی۔“

(”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء واقعات و شخصیات“ از پرنسپل محمد ایوب قادری، ص ۳۸)

اسٹیمیل دہلوی بی کے ایک متبع اہل قلم نے اسی حلقے کے ایک جیسے میں انگریزوں کے پاسوسوں کی رپورٹوں اور روزناموں وغیرہ کے حوالے سے دہلی کی جنگ آزادی میں علامہ کے فعال کردار پر روشنی ڈالنے کے بعد منشی ذکرا اللہ دہلوی کی کتاب کا ذکر بھی کیا ہے،

”یہ تو محبت وطن حضرات کے خبروں پاسوسوں اور دشمنوں کی رپورٹوں اور روزناموں میں اپنے انداز میں مولانا فضل حق نے عشتیاء کی دہلی کی جنگ آزادی

میں جو حصہ لیا تھا، اس کے پاسے میں رہتے تھے۔... پیشی کا راز صاحب نے اپنی مصروفیت کے باعث اس وقت اسٹیج پر نہیں مل سکا تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کی خدمات کا ذکر کیا ہے، جو انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انجام دی تھیں اور ان کی پامائش میں ان کو جلاوطن ہونا پڑا۔

۱۸۵۷ء دہلی، نومبر ۱۹۲۲ء مضمون آندو ساہری، ص ۲۶۹

اسی صفحے پر یہ لکھتے ہیں :

”یہ بات تو مسند سے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔“

جنرل بخت خان میاں نے جنگ آزادی کے سربراہ تھے۔ لکھنؤ میں سیم حضرت محل نے حریت کا پرچم اٹھایا تھا اور علامہ فضل حق دونوں جگہوں پر ان دونوں کے معتمد تھے اور ان کی کاروائیوں میں شریک رہے۔ کیا اس حقیقت کے منظر عام پر آنے کے بعد بھی اس راستے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ علامہ نے فتویٰ دینے کے علاوہ کسی کام میں حصہ نہیں لیا۔ اگر یہ باتیں لوگوں کے سامنے لانا جرم ہے تو میں بھی بہر حال مجرم ہوں۔ وہ منفعیل ہو کہ مشتعل بلا سے مگر کبھی تو حال دل زار نہ ملا کیسے

”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے مرادہ وار حصہ لیا۔“

دہلی میں جنرل بخت خان کے شریک ہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہے۔ جب انگریزوں کو فتح ہوئی، تو گرفتار ہوئے۔“

”علم و عمل“، وقائع عبدالقادر خانی، جلد اول، مترجم مولوی حسین الدین، الفضل گزشتہ صفحہ ۲۵۶

”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے مرادہ وار حصہ لیا۔ دہلی میں

جنرل بخت خان کے شریک ہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہے۔“

آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا، بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔

”تذکرہ علمائے ہند“ از مولوی رحمان علی - ص ۳۸۳

محمد ایوب قادری صاحب اپنی کتاب میں مولانا فضل حق کے حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں، اپنے ایک مضمون میں انہوں نے جبریل بخت خاں کی مشاورت میں بھی ان کے شریک ہونے کا اعتراف کر لیا ہے۔ پھر وہ علامہ کے قصائد اور ان کی کتاب کو جنگ آزادی کے نہایت قابل قدر مآخذ قرار دیتے ہیں۔ اگر علامہ ان حالات کے عینی شاہد نہ ہوتے تو وہ جنگ میں فساد مکر و ادا نہ کر سکتے ہوتے تو ان کی باتیں قابل قدر مآخذ کیسے قرار پاسکتی تھیں۔

”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا۔ جیل میں جبریل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں سیاح حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور جس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔۔۔۔۔
اٹھان ونگو بار کے زمانہ قیام میں علامہ خیر آبادی سے دو چیزیں یادگار ہیں۔
”النورۃ الہندیہ“ اور قصائد فقہ الہندیہ۔ یہ دونوں چیزیں تاریخی موسسہ کے علاوہ ادب کا بھی شاہکار ہیں۔۔۔۔۔ یہ رسالہ اور قصیدہ ”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات کے نہایت قابل قدر مآخذ ہیں۔“

(مفتاح جزائر اٹھان ونگو بار میں مسلمانوں کی علمی خدمات)

از محمد ایوب قادری، حہ ماہی، اردو گراچی جنوری ۶۸ء ص ۶۲

خلیل احمد نقوی نے ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ”مطبوعہ ندوۃ المستغنیین دہلی کے صفحہ ۶۷

۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء پر بتایا ہے :

”جب زمانہ میں شور و شر مچا، تو مولوی فضل حق خیر آبادی نے دہلی کا جنم

کیا اور (بادشاہی) بارگاہ میں باریابی کے آرزو مند بنے اور نذر اور شار کی بہت ساری چیزیں لے

روزیانے میں ان کی جلالت علمی کا ذکر ان الفاظ میں ہے :

”مولوی فضیل حق نے مختلف علوم میں خاص مرتبہ حاصل کیا تھا، یقیناً

فہرست میں ان کا علمی سرمایہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔“

مولانا فضل حق کی دربار شاہ میں مصروفیت کے بارے میں منشی حیون لال اپنے روزنامے میں لکھتا ہے:

”۱۱ اگست ۱۸۵۷ء مولوی فضل حق شریک دربار ہوئے، انہوں نے اشرفیہ فقہ پیش کی اور صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔“

۱۸ اگست ۱۸۵۷ء مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ انگریزی اخبارات لکھ رہے ہیں کہ شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد باشندوں کا قتل عام کیا جائے گا۔

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء مولوی فضل حق نے اطلاع دی کہ تھاکر کی فوج آگرہ چلی گئی ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر رہی ہے۔“

(علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم، ۱۸۵۷ء اور باننا زبان حریت،

از محسنہ میاں - ص ۴۹۴)

مشہور مورخ دہلی احمد حفیظی علامہ کی دوسری مصروفیات کے علاوہ دلیاں پر ماست اور امرائے ہند کو جنگ آزادی میں شامل کرنے کی کوششوں کا ذکر یوں کرتے ہیں: (قاری بریلیم اس سے پہلے غور شدہ مصطفیٰ رضوی کی کتاب کا اقتباس ملاحظہ کر چکے ہیں)

”وہ (فضل حق خیل آبادی) انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو

نکالنے کے لیے ہتھم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دلچسپی سے آمادہ نہ ہتے

تھے، چنانچہ صدر جب شروع ہوا، تو مولانا نے بے تامل شریک ہوئے۔ وہ بہادر شاہ

کے معتد بہ مقرب اور مشیر تھے، ان کے دربار میں شریک ہوا کرتے تھے، انہیں اہم

محادثات مسائل پر مشورے دیتے تھے اور اس بات کے سماعی تھے کہ آزادی کی تحریک

کامیاب ہو اور انگریز اس دس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائیں، مولانا نے

غدر میں دلیری اور حرارت کے ساتھ علانیہ حصہ لیا۔ انہوں نے متعدد دلیاں پر ریا

اور امرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی جس میں والی ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے۔ (مہارشاہ ظفر اور ان کا عہد ۱۸۹۲ء) علامہ فضل حق بہادر شاہ ظفر سے مشورے کرتے ہیں۔ فوج تنظیم کا جائزہ لیتے ہیں۔ آزادی کے لیے کام کرنے والوں سے مستقل رابطہ رکھتے ہیں اور پھر اس جہد میں حصار کے مشیر ہیں۔ کیا یہ سب کچھ نہ کرنے کے ضمن میں آتا ہے؟

”دہلی پہنچتے ہی سیدھے قلعے میں گئے اور بہادر شاہ ظفر سے ملاقات کی۔ جنگ کی صورت حال کے متعلق گفتگو کی، فوجوں کا جائزہ لیا، آزادی حاصل کرنے کے لیے جو لوگ کرکس چکے تھے ان سے ملے اور پھر روہیوں کے سردار جنرل تخت خان کے پاس گئے۔ ۱۸۵۹ء میں مولانا فضل حق خیر آبادی کو مغلیہ حکومت کی وفاداری اور انگریزوں کے خلاف بغاوت میں شریک ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔“ (آزادی کے مجاہد از محمود الرحمن۔ ص ۳۵)

پروفیسر محمد اویس قادری کا ایک مضمون مولانا فضل حق خیر آبادی کو انگریزی لباس اور طرز سے نفرت تھی، روزنامہ ”تحریت“ کراچی میں چھپا ہے جس میں انہوں نے علامہ فضل حق کے دہلی سے بعد از خرابی بسیار اور دھپنچے کا ذکر کیا ہے۔ ایک شخص تحریک کی کامیابی کے لیے ایک ایک آدمی کے پاس جاتا ہے۔ رہنماؤں کا مشیر خاص ہے۔ امرائے ریاست کو تحریک میں شامل کرنے کی سعی کرتا ہے، مصائب بھیتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جہد آزادی میں حصہ لینے کے لیے پتہ پتہ جا رہا ہے سب کچھ جاننے کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی خدمات سے صرف نظر کرتا ہے اور اس سلسلے میں ایک واقعہ (فتویٰ جہاد) کو جھٹلاتا ہے تو میں بھی کہا جاسکتا ہے۔

اُن کو الزام اگر دیں بھی، تو ہم کیوں کریں
اتنے معصوم ہیں، انجان نظر آتے ہیں

۱۸۵۹ء کے ہندو مت میں مولانا فضل حق اور سے دہلی پہنچے اور دہلی سے

بعد از خرابی بسیار دودھ پیچھے حضرت محل کی کورٹ کے ممبر ہوئے۔ بعد ازاں مولانا فضل حق گرفتار ہوئے۔ بغاوت کے جرم میں اس یگانہ دوزگار شخصیت پر مقدمہ چلا۔ (روزنامہ حریت، کراچی، ۹ جولائی ۱۹۷۱ء)

جرم بغاوت کے اس مجرم کو صرف اسماعیل دہلوی کے عقائد پر گرفت اور ان کی تخیط پر اتنی کڑی سزا نہیں دینی چاہیے کہ یا تو ان کا ذکر جنگِ آزادی کے تذکرے میں سرے سے کیا ہی نہ جائے۔ اگر ذکرِ نامِ میر ہو تو کبھی کہا جائے کہ انہوں نے فتویٰ نہیں دیا کبھی قرار دیا جائے کہ فتویٰ تو خیر انہوں نے دیا تھا اور کچھ نہیں کیا۔

عالمِ حسن قادری ان کے مجرمِ بغاوت کے متعلق اشارہ کرتے ہیں :
 ۸۵ء میں جب صدر کے بعد انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اور لوگوں کے ساتھ مولانا فضل حق پر بھی جرمِ بغاوت عائد کیا گیا اور جس دم بمبؤ وریٹے شورشِ مکمل ہوا۔
 (داستانِ تاریخِ اردو، از عالمِ حسن قادری، ص ۳۲۹)
 مولوی ذکار اللہ دہلوی بھی علامہ فضل حق کو علمائے حق کا سرخیل گردانتے ہیں اور بڑا لہجہ کے آنسو "حسہ اقل" اور مشتاق احمد قظامی ص ۴۴۴
 علامہ پر قائم کردہ مقدمے کی رپورٹ میں لکھا ہے :
 "یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی، کیم (حضرت محل) کے مشیرانِ خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی اربعہ شورائی کے نام سے شہرت تھی، بلکہ کبھی کبھی انہیں "چکھری پارلیمنٹ" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شورائی میں علامہ فضل حق، بہت ممتاز تھا۔"

فیصلہ میں یہ بھی لکھا ہے :

وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی سے مددِ خدا کی پہنچ اسٹا ہے
 اس لیے اسلاف اور امنِ عامہ کا نقصان ہے کہ اسے گناہ دیا جائے۔

ہوڈریشنل کمشنر اودھ اور قائم مقام کمشنر خیر آباد ڈویژن نے ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا:

”بغاوت شروع ہونے کے وقت وہ انور میں ملازم نفاذ یہاں سے ویدہ دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بہ قدم چلتا رہا ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیے اور اسے خاص طور سے ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیے۔“ (ماہنامہ ”تحریر“ دہلی، جون ۱۸۵۹ء)

(بحوالہ حرف آغاز باغی ہندوستان از محمد عبدالحق عظیم قادری)
(مطبوعہ مکتبہ قادریہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور)

سید مصطفیٰ علی بریلوی جنگ آزادی کے عظیم رہنماؤں کی فہرست میں مولانا فضل حق کا ذکر یوں کرتے ہیں:

ہماری پہلی جنگ آزادی کے ہیرو بلاشبہ انگریزی فوجی اور سول افسران سے کسی طرح قابلیت اور حب الوطنی میں کم نہیں تھے جنرل بخت خان، جنرل محمود علی، سید حضرت محل، مولانا احمد اللہ شاہ، سید لیاقت علی، مولانا فضل حق، خان بہادر علی، نانارائو، تانتیا توپی، شہنشاہ فیروز شاہ، جھانسی کی رانی، محمد علی خان عرف جی گرین وغیرہ مجاہدین کہہ بیٹھتے اور اپنی اپنی جگہ بڑی بڑی فوجیوں کے لوگ تھے۔
(مضمون ”جنگ آزادی کی کہانی“ انگریزوں کی زبان،

دہلی نذر خان، اعلیٰ طاقت گراچی، جنگ آزادی نمبر ۱ ص ۱۰۵)

مہاراجہ کے مرنے کا ایک اخبار میں لکھی مثال، ۱۸۵۷ء میں ۱۸۵۷ء کو یہ خبر دیتا ہے:
”ہماری دین کے دین کے ساتھ تہمتیں لگا کر انہیں جمع کر کے انگریزوں کے جہاد
میں لے کر آئے۔ اور انہیں لکھا کہ تم لوگوں کو یہ کہنا کہ تم لوگوں کے
میں لے کر آئے۔ اور انہیں لکھا کہ تم لوگوں کو یہ کہنا کہ تم لوگوں کے

اس قسم کے متعدد جیسے ان علماء نے مسجدوں خصوصاً جامع مسجد میں کیے اور ان میں مولانا فضل حق خیر آبادی اپنی پُر جوش تقریروں سے مسلمانوں میں جوش جہاد پیدا کرتے ہوئے چنانچہ بھی جیتی لال لکھنا ہے :

”مولوی فضل حق اپنے مواعظ سے حوام کو مسلسل مجبور کا رہے ہیں“
(اخبار وطنی، از چٹائی لال، ص ۲۷۳، فائنل ۱۲۷)

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون“ از حکیم محمد احمد ہکاتی۔ ص ۴۸)
اودھ کے چیف کمشنر کاسیکری گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکریٹری کے نام ۱۱ دسمبر ۱۸۵۸ء کو ایک سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے :

”مندرجہ ذیل لوگوں کے چلے جانے کے بعد حکومت کو قیام امن میں کافی سہولت ہو رہی ہے۔ فیروز شاہ، لکھنؤ، مولوی فضل حق جو ہماری حکومت کا دشمن جہاں ہے، سالانہ حکومت نے اسے اور اس کے اعزہ کو اعلیٰ مناصب عطا کیے تھے۔“

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون۔ ص ۸۷، ۸۸)
بہادر شاہ ظفر سے علامہ فضل حق کی ملاقاتوں کا مقصد جنگ آزادی کو زیرِ نگر آنا تھا انہوں نے بادشاہ کو فعال کرنے کی کوشش کی مجاہدین کی سرپرستی کی اہمیت، جاتی اور دوسرے مناسب مشورے دیتے :

”... ان حالات میں تحریک کی کامیابی کے امکانات کا دھندلا جانا لازمی ہے۔ مولانا نے اس اہم مسئلے پر پہلے دن سے توجہ دی اور بہادر شاہ سے اپنی پہلی ملاقات میں اس پر زور دیا کہ مجاہدین کی روپیہ اور سامان رسد سے مدد کرنا نہایت ضروری ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں نے لکھا ہے کہ مولوی صاحب جب بھی بادشاہ سے ملنے، بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جنگ کے سلسلے میں غایا کی جنت افزائی

کریں اور ان کے ساتھ باہر (مخافہ) نکلیں اور دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں۔" (میموئرس - ص ۲۴، ۲۳)

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستادین، ص ۵، ۹)

علامہ فضل حق نے صرف بہادر شاہ اور سخت خان سے ملنے اور انہیں مشورہ دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شاہ نے جو کنگ کو نسل "تشکیل دی تھی۔ علامہ اس کے بھی بڑے اہم رکن تھے۔ "سید مبارک شاہ (جو دوران صدر دہلی کا کووالہ رہا تھا) کا بیان ہے کہ شاہ نے جنرل سخت خان، مولوی سرفراز علی اور مولوی فضل حق پر مشتمل ایک کنگ کو نسل تشکیل دی تھی۔ مبارک شاہ ہی نے ایک جگہ اس کو پروپیگنڈا بھی لکھا ہے؟

THE GREAT REFUTATION OF 1857

(از ڈاکٹر سید مصیبن الحق - ص ۱۲۸، ۱۸۳)

سوویٹ یونین کی سائنس اکیڈمی کے ادارہ علوم شرقیہ کی ایک ممتاز رکن ماہم پروپونسکیا ایک مضمون میں لکھتی ہیں،

"مولانا فضل حق، الور تشریف لائے، جہاں انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پرچار کیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ وہ زمیندار جو برطانوی حکومت سے مطمئن نہیں ہیں، اس کی بنیادی طاقت ہوں گے۔ مولانا موصوف کے معاصرین اور ان کے مورخ نگاروں نے ان کے بہت سے خطوط کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کو لکھے تھے۔ انہوں نے برطانیہ کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا پیغام دیا تھا۔ بغاوت کے زمانے میں مولانا انگریزوں کے مخالفوں کی صف میں ہے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے سماجی اور سیاسی نظریات سامراجی حکومتی کے جوڑے سے ملک کو آزاد کرنے کی اس خواہش کے آئینہ دار تھے جو پروپیگنڈا کے سینے میں پروان چڑھ رہی تھی۔

اس حیثیت سے ان کی جملہ سرگرمیاں ہندوستان کے قومی معنہ د کو پورا کرتی تھیں۔" (ہندو روزہ سوویت دس دہلی، ۱۰ جولائی ۱۹۵۸ء)

(بحوالہ غالب نام آدم - ص ۱۱۶)

بچو غزیدہ و محکم چو کو بساراں زی

چو حسن مزی کہ صبا تند و شعلہ بیا کست

ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں،

"اگرچہ لال کے بیان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، تو مولوی فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے۔"

(مہارشاہ آدم - ص ۳۹)

(بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن سٹاون - ص ۵۲، ۵۱)

آغشتہ ایم ہر ہر خار سے، بخون دل

قانون باغبانی صحرانوشہ ایم



جنگِ آزادی

کے

محافل کون؟

کہیں گرتی ہوئی دیواریں کہیں جھکتی پھٹتیں
آپ کہتے ہیں تو یہ قصروں ہی ہوگا

جن لوگوں نے دوسروں کا کیا دھرا اپنے کھانے میں ڈالنے کی کوشش میں قم سے
 گھاس کھدائی شروع کر رکھی ہے۔ تاریخ سے پوچھیں کہ ہر ایسے موقع پر جب دینِ مٹن کے لیے
 کوئی فیصلہ کن مرحلہ سامنے آیا، ان کا کردار کیا رہا ہے؟ تو حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں
 یہ درست ہے کہ ان بڑوں کے چھوٹے اب خود تادمِ سناڑ ہیں، اور اس معاملے میں خود کفیل
 ہوتے جا رہے ہیں انہیں اب اپنے قول سے باہر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، مگر اس
 طرح آنکھیں بند کر لینے سے خطرات مل تو نہیں جایا کرتے۔ اپنی ذات میں گم رہنے کی اس نئی تویل
 سے حقائق کا شیر تواندھا نہیں ہو جاتا۔ واقعات کو گریس تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسماعیل
 دہلوی اور سید احمد صاحبان انگریز کے ایمان پر کھتوں اور مسلمانوں سے جہاد کرتے رہے اور
 ان کے ساتھیوں نے زیادہ تر جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریز کے
 خلاف جہادِ حریت میں حصہ لینے والے وہی علماء تھے جو اسماعیل دہلوی کے مخالف
 تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت جن کے عقیدے اور ایمان کی بنیاد
 تھی۔ ہم ان حقائق کے رخ سے نقاب ہی نہ اٹھا سکیں تو ہماری کم بہتی ہے اور نہ سچائیاں
 چھپنے کے لیے نہیں ہوتیں۔

عشق ہی کے باعثوں میں کچھ سکت نہیں رہتی

ورنہ پیمز ہی کیا ہے گوشہ نقاب ان کا

”بنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام شامل تھے، جو عقیدہ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے دین بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔“ (حاشیہ مقالات سرسید، حصہ شانزوم، ص ۳۵۶)

اس حقیقت کا اعتراف خود اہل حدیث حضرات کے ایک عظیم رہنما نواب صدیق حسن خاں نے اپنی تصنیف ”ترجمان دہلیہ“ میں یوں کیا ہے :

”زمانہ غدر میں سواروں اور جنگوں نے بعض مولویوں سے زبردستی جہاد کے مسئلہ پر مہر کرائی۔ فتویٰ لکھا جس نے انکار کر دیا، اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر لوٹ لیا۔ سرورہ مہر کرنے والے اور فتوے لکھنے والے بھی غالباً وہی لوگ تھے جو اہل سنت و اہل حدیث کو زبردستی ”دہلی“ نام رکھتے ہیں۔“

”ترجمان دہلیہ“ از نواب صدیق حسن خاں، ص ۵۵

اہل حدیث حضرات کے ایک بہت بڑے عالم و فاضل مولوی محمد حسین ٹالوی اپنی کتاب ”الاقتصاد فی مسائل الجہاد“ میں لکھتے ہیں کہ جن مسلمانوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا، وہ قرآن و حدیث کی رو سے مفسد، باغی، اور بدکردار تھے۔ ان میں سے جو علماء کہلاتے تھے، وہ بھی قرآن و حدیث سے بے بہرہ، نا فہم اور بے سمجھ تھے۔

ان دہلیوں کے نزدیک قرآن و حدیث کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ انگریزوں کی کامرہمیسی کرو، ان کے انجینٹ کرنے پر ان کے مخالفوں سے جنگ کرو، ان سے مصروف جہاد لوگوں کے خلاف فتوے دو۔ انگریزوں کے ہم زبان ہو کر مجاہدین کو مفسد، باغی اور بدکردار قرار دو اور حکومت انگلشیہ کے ساتھیوں کو مجاہدین قرار دو :

”مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار اور بکرم قرآن و حدیث و مفسدہ باغی اور بدکردار تھے۔ اکثر ان میں عوام کا لالہ نام تھے بعض جو خواص علماء کہلاتے تھے وہ بھی اصل دین (قرآن و حدیث) سے بے بہرہ تھے یا نا فہم و بے سمجھ، باخبر اور سمجھدار علماء اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے۔“ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد۔ ص ۴۹)

محمد میاں صاحب ناظم جمعیتہ علماء ہند کا اعتراف ملاحظہ کیجئے کہ دہلی تحریک جس کا مرکز صادق پور تھا، تحریک آزادی کی مخالف تھی۔

”دوسری تنظیم جو اس تحریک کے زمانے میں موجود تھی، وہ تنظیم ہے جس کو دہلی تحریک کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جس کا مرکز صادق پور تھا، یہ تنظیم ہمیشہ تنظیم تحریک سے الگ رہی، بلکہ اگر مولانا عبدالرحیم صاحب مفسدہ الذرا منشور کا قول تسلیم کر لیا جائے تو یہ تنظیم ۱۸۵۷ء کی تحریک کی مخالف رہی۔“ (علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم ص ۲۱۳)

دیوبندی حضرات اسماعیل دہلوی کے مخالفوں کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کی خوشامد میں کیا زبان استعمال کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے: ”بعض کے سروں پر موت کیسیل رہی تھی، انہوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن و عافیت کا زامہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے علم نہاد کا علم قائم کیا۔“

(تذکرۃ الرشیدیہ حصہ اول، از عاشق الہی میرٹھی، ص ۷۳)

مشابہے کو تو کانٹوں کی بھیک بھی نہ ملی
مٹا سے صحن گلستان میں پھول کھلتے ہیں

انگریزوں

کا

ایک حاشیہ بردار

واقف نہیں تو اس کے لبوں کو کنول نہ لکھ
الفاظ کو خضاب لگا کر غزل نہ لکھ

اسماعیل دہلوی نے جس قسم کی مجددیت کا آغاز کیا تھا۔ اس کے بارے میں کچھ اشارات کرچکا ہوں۔ مفصل ذکر اگلے آئے گا۔ اس مجددیت کی تکمیل کرنے والے ان کے جانشین سید نذیر حسین دہلوی تھے۔

”مولانا شبید (اسماعیل دہلوی) نے مجددیت کی بنیاد ڈالی؟ یہ جتنی بگڑا ہوا ہے اس کے کہ آپ کی عمر صرف ترقین برس کی ہوئی اور ایک مستند زمانہ آپ کا جہاد میں صرف ہوا۔ علم الہی میں اس کی ضرورت تھی کہ اس شہید کو کامل کرنے کے لیے ایک خاتم بھی آگے سے موجود ہے۔۔۔۔ اس جانشین سے مراد ہیں مولانا سید نذیر حسین“ (”الحیات بعد الممات“ سوانح عمری میاں سید نذیر حسین ص ۳۰۷)

”مجدد بھی انگریزوں کی دغا داری پر متحرک تھے۔ مجددیت کی تکمیل کرنے والے ان جانشین کے متعلق ان کے اپنے محمد صغیر نقشبندی کے الفاظ سنیے،

”مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیر خواہ دولت انگلشیہ کے ہیں۔“ (”کالا پانی“ ص ۲۴)

انگریزوں کے ان نامی خیر خواہ کو جنگ آزادی میں حصہ دلانے کی کوششوں کا ایک بیرونی ملاحظہ فرمائیے،

”مولوی میاں نذیر حسین بن جواہر علی... نے ایک طرف تو جہاد کے فتوے پر دستخط کیے اور دوسری طرف انہوں نے ایک انگریز عورت مسٹرنس کو پسند نہ دی۔ (جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء، از محمد ایوب قادری، ص ۴۹)

اصل میں سارے ان دوستوں کی سمجھ میں سرے سے یہ بات آئی ہی نہیں کہ کوئی شخص علامہ فضل حق خیر آبادی کی استقامت کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے، چونکہ اس جنگ میں ”بلجیوں“ کا کردار اجتماعی قومی اور ملی مفاد کے خلاف تھا، اس لیے وہ جنگ آزادی کے ہیروؤں کے خلاف تو زبان کھرنے کے کئی دھنگ نکالتے ہیں اور انہوں کی عظمت کے اعہاد کے لیے کئی جھوٹے بیانات قلمبند ہیں کہ میاں نذیر حسین تو جہاد کے فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

(الحیاء بعد العلمات، ص ۱۲۵)

اور پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب فتوے پر ان کے دستخط ثابت کرتے ہیں، اس کے برعکس علامہ فضل حق فتویٰ دیتے ہیں۔ عدالت میں فتویٰ پراصرار کرتے ہیں اور پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے فتویٰ دیا ہی نہیں۔ انہوں نے انگریز عورت کو پناہ دینے کی بات بھی، اس انداز سے کہی ہے، جیسے انسانی ہمدردی کے جذبے سے ایسا کیا گیا ہو، حالانکہ نذیر حسین صاحب نے انگریزوں کی خوشنودی کے لیے ایسا کیا تھا، جس کے نتیجے میں انہیں سندی اور نقد انعامات ملے۔ لیکن پروفیسر ایوب قادری صاحب ہی کی بات کیا کیجئے۔ غلام رسول تہرقان سے بھی کئی قدم اگے نکل گئے ہیں اور غلط بیانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میاں صاحب (ستید نذیر حسین دہلوی) نے اس کا بدلہ کچھ نہیں لیا تھا، محض اسلامی فرض سمجھ کر انگریز خاتون کو پناہ دی تھی۔

”یہ صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی اٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا، وہ تندرست ہو گئی اور اسے اس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کیمپ میں بھی پہنچا دیا گیا، مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرا اسلامی فرض تھا۔“

اب فداحقائق کی طرف بھی جھانک لیجئے اور یہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ:
 کچھ کہوں گا، ان لوگوں کی اپنی کتابوں سے کہوں گا۔
 سید نذیر حسین دہلوی کی سوانح عمری "الحیاء بعد الممات" مطبوعہ مکتبہ شعیب مدنی نخل
 کراچی میں ہے:

"تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا، تب اس فوجی جہانم
 کو جواب بالکل تندرست اور توانا دھنی، انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا، جس کے
 صے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپے اور مندرجہ ذیل سائیکل تین ملیں۔
 (الحیاء بعد الممات) از فضل حسین بہاری، ص ۱۲۷
 فضل حسین بہاری کے علاوہ خود پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی حیات سید محمد شہیدؒ
 میں تسلیم کیا ہے کہ محدثیت اسماعیل کے اس تکمیل کنندہ نے سفر و حضر میں انگریزوں کی سہولت
 کو حریزِ جاں بنائے رکھا۔

"میاں نذیر حسین وفادار گورنمنٹ ٹھہرے اور کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا۔
 جب میاں صاحب جج کو تشریف لے گئے، تو گورنمنٹ دہلی کا خط ساتھ لے گئے۔
 گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۱۹۰۷ء کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔
 (الحیات بعد الممات) ص ۸۱، ۱۰۰

(تذکرہ رجال از محمد ایوب قادری، تتمہ حیات سید محمد شہیدؒ مطبوعہ نفیس ایڈمی کراچی ۱۳۸۲ھ)
 مولوی نذیر حسین صاحب کو وفاداری کے جو سرٹیفکیٹ عنایت ہوئے ان میں سے
 ایک کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بہت بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے
 نازک و قتل میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔
 جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد دیا ہے گئے وہ ان کو مدد دے گا۔

کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط جے ڈی ٹریملٹ بنگال سروس
(کشنر دہلی و سپرنٹنڈنٹ - ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء)

(الحیاء بعد المماتہ ص ۱۴۰)

سنمجلہ کراؤں رکھنا بیکدے میں شیخ جی صاحب
یہاں پگڑی اچھلتی ہے، اسے میخانہ کہتے ہیں

جب علامہ فضل حق اور دوسرے علماء حق انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے، وہ اپنی
انگریز سرکار کی مدد سے سرائی میں رطب اللسان تھے۔ الاحیاء بعد المماتہ میں اس پہلو کے
ساتھ مملوئی نذیر حسین المعروف میاں صاحب کی انگریزوں کی کاسہ لہسی کا ذکر کیا گیا ہے:

”یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی (زور لفظ بھی) گورنمنٹ

انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے۔ زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جب کئی کے بعض معتقد اور بیشتر

معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے اس پر منتظر

کیے نہ ہوئے۔ وہ خوف فراتے ہیں کہ میاں! وہ ہتھیار بھاری نہ تھے، وہ بیچارہ

اللہ! شاہ کیا کرتا۔ حشرات الارض خانہ برفانوں کے تمام دہلی کو خراب ویران

تباہ اور برباد کر دیا۔ شہر انطا امارات و جہاد بالکل مفتوق تھے، ہم نے تو اس فتویٰ پر

دستخط نہیں کیا کہہ کیا کرتے؟ (الحیاء بعد المماتہ) مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی ص ۱۲۵

”بابت تویہ ہے کہ آپ باتوں اور تحریروں سے جیسے گل بوٹے سجائیں، جب تک

گردار نہ ہو، حسب باتیں نقش بر آب اور صد البصحر ثابت ہوں گی۔

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط

خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

اسماعیل دہلوی کا سیاسی کردار

انگریزوں

کے ساتھ تعلقات

مجھے انکار و صل غیر رکپوں کرنے شک گزے
زباں کچھ اور بچے پیرہن کچھ اور کہتی ہے

آجکل کچھ لوگوں نے بالائے التزام یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی ”تحریریں“ مجاہدین کا اصل مقصد انگریزوں کی مخالفت تھا اور وہ ہماری جنگ آزادی کے ممتاز ہیرو ہیں ۔

کیونکر حقیقتوں کا پتہ چل سکے کہ لوگ

ملے ہیں اپنے آپ سے بھی اڑھ کر نفاق

اس باب میں اس دعوے کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کی گئی ہے :

”اس زمانہ میں بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ دراصل سید احمد شہید کا

مقصد انگریزوں سے جہاد کرنا تھا، سمجھ تو ویسے ہی درمیان میں آگئے۔“

یا اگر سمجھ آزاوی وطن کے جہاد میں حضرت سید احمد شہید کا ساتھ دینے کے

لیے تیار ہو جاتے، تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی یا سمجھوں کہ تاریخ

ہونے کے بعد حضرت شہید کا پختہ ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا، مگر واقعہ

ہے کہ ان تینوں بیانات کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں اور یہ بات سچی بات یہی

ہے کہ ہرگز مہرگز حضرت کا ارادہ انگریزوں سے جہاد کا نہ تھا، مگر ایسا نہ ہوتا تو سرسید

(جو حضرت شہید کے سب سے قریب الجہد مورخ ہیں) ضرور اس کا ذکر کرتے۔“

(ماشیہ مقالات سرسید حصہ شانزدہم از شیخ محمد امجد علی پٹنوی ص ۲۶۸)

سرسید احمد خاں کا مضمون ڈاکٹر برٹ کی غلط فہمیوں کا ازالہ مقالات سرسید حصہ نہم کے صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۵ پر چھپا ہوا ہے جس میں انہوں نے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی تحریک کا انگریزی حکومت کی مخالفت سے دو کا بھی واسطہ نہ تھا، بلکہ یہ لوگ انگریز کے ایمار پر سختوں سے رٹنے کے لیے نکلے تھے مضمون کے آخر میں مقالات سرسید کے مرتب نے سائے میں لکھا ہے :

”سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ سرسید کے اس بیان کی تائید متحدہ مورخین نے بھی کی ہے، چنانچہ ذاب صدیقی حسن خاں نے ترجمان وادیہ مطہرہ امرتسر کے صفحہ ۲۱ اور ۸۸ پر نیز سوانح احمدی، مولفہ مولوی محمد جعفر تھانوی میں بیس مقامات پر اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہید کی سوانح موصومہ بحیات سلطیہ کے صفحات ۱۵۹، ۲۹۲، ۲۹۳ پر بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔“

(مقالات سرسید حصہ نہم، ص ۲۰۷)

خود ان لوگوں کے رسالہ الفرقان نے اسماعیل صاحب پر ایک خاص فہر شائع کیا تو اس میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہی ہیں :

”مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ پائین میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا، اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔“

(الفرقان، شہید نمبر ۱۳۵، ص ۷۶)

۷۔ توشابہ می نہائی بہ برکہ بودی اشب !

کہ ہنوز چشم مست اثرِ خسار وارد

سر سید احمد خاں اس تحریک اور آزادی کی تحریک کے لڑنے کے آدمی تھے، وہ کہتے ہیں کہ اسماعیل دہلوی صاحب نے اثنائے وعظ میں انگریزوں کے خلاف کے ایک استفادہ کے جواب میں فرمایا کہ ان کے مذہب کی رُسے یہ بات ان پر فرض ہے کہ وہ انگریزوں کے خلاف کبھی جہاد میں شریک نہ ہوں۔ یہ کوئی خاص مذہب معلوم ہوتا ہے۔ دین برحق نے تو اس قسم کی کوئی تصریح نہیں لگائی۔

اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے۔ وہ بھی تو کافر ہیں، اس کے جواب میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ افیت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں، اس لیے ہم پر اپنے مذہب کی رُسے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں کو جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔ پس اس زمانہ میں ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکتوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہو گیا۔

(مقالات سر سید، حصہ نہم از سر سید احمد خاں ص ۱۴۲)

اس کے بعد سر سید نے کشن اور مجسٹریٹ کی اطلاع پر گورنمنٹ کا فیصلہ بتایا ہے کہ ان سے تعرض نہ کیا جائے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے متصادف کے خلاف نہیں ہے۔ آج کل کے تاریخ ساز سر سید پر معرض ہونے ہیں کہ وہ انگریزوں سے مسلمانوں کے تعلقات بحال کرنے کے آرزو مند تھے، اس لیے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں، درجہ تحریک جہادین، ہتھی تو انگریزوں کے ہی خلاف، لیکن آپ بیکہ کہتے ہیں کہ سید احمد اور اسماعیل صاحبان کے سب سے پہلے مداح اور ساتھی جمعہ فریقہ انیسری صاحب بھی اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

طاقتِ بر خرا - تن از گرد بنسٹ کم نما نہ
حق پندار و نہ میز راست دست افتادہ است

”سوانح احمدی کی حیثیت کے بارے میں چند آراء ملاحظہ ہوں،
 ”سوانح احمدی“ مطبوعہ صوفی کہن کے متعلق جناب مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں،
 ”اس میں حضرت سید صاحب کے حالات زندگی جہاد اور تعلیمات کا خلاصہ
 درج ہے۔ یہ اردو زبان میں سید شہید کی سب سے پہلی مرتبہ سیرت ہے۔
 تاریخی نام تواریخ عجیبہ ہے۔“

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک - ص ۷۲)

اسی کتاب کے صفحہ ۷۱ پر لکھا ہے کہ ”مصنف سید صاحب کی جماعت سے خاص
 تعلق رکھتے ہیں۔“

”سوانح احمدی کے بارے میں غلام رسول تہر خود یہ لکھنے پر مجبور ہیں،
 ”اردو زبان میں سید صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے۔“
 (سید احمد شہید از غلام رسول تہر ص ۱۲)

چند اور آراء ملاحظہ ہوں،

”سوانح احمدی“ اور تواریخ عجیبہ اردو کی پہلی کتاب سید صاحب کے حالات
 میں مقبول و مشہور ہے، جس سے سید صاحب کے حالات کی بہت اشاعت ہوئی؟

(”سیرت سید احمد شہید از ابراہیم علی ندوی، ص ۸)

مولوی محمد جعفر تھانیسری حضرت سید صاحب کے مستند سوانح نگار ہیں۔“

(”نقش حیات“ از حسین احمد مدنی، ص ۲۱۸)

مولوی محمد جعفر تھانیسری سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے خاص رنگ اور

بڑے رازدار تھے۔“

(مضمون ”جہاد ائمہ مان و نیکو بارہیں مسلمانوں کی علمی خدمات“)

(از پروفیسر محمد اویب قادری، سماجی اردو کراچی، ص ۷۸)

”مولوی محمد جعفر تھانیسری تحریر: جہاد و اسلحہ کے ایک نامور شخص تھے؟“

(مضمون ”پروفیسر محمد انور قادی اور اہل حدیث از سنیٹین احمد“)

(سہ ماہی روزنامہ ”الاسلام“ لاہور، ۵ اگست ۱۹۷۷ء)

تھانیسری صاحب کے وہابی ہونے کے لحاظ سے اُن کے سامنے ہر گز کو جھکاؤ ضروری سمجھا جاتا ہے، لیکن انگریزوں کی کاسہ بیسی کے متعلق تحریر: ”جہاد“ کے لفظوں کے اوقات تھانیسری صاحب کے قلم سے سن کر تسلیم جھکاؤ میں تعارض ہے۔

”مولوی جعفر تھانیسری سید صاحب کے خاص معتقدین سے وابستہ تھے اس وابستگی کے باعث انہوں نے خوفناک تکلیفیں اٹھائیں، گھر بار لایا اور کم و بیش اٹھارہ سال کا لے پائیوں میں بسر کیے۔ ان کی قربانیوں کے سامنے ہر شخص کی گزراں جھکا جانی چاہیے۔“ (سید احمد شہید از غلام رسول مہر، ص ۲۵۸)

”یہ کتاب ”حیات سید احمد شہید“ حضرت سید احمد شہید کے خالص متبع جعفر تھانیسری کی تصنیف ہے۔ . . . یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اس کتاب کی اہمیت کیا ہے، ہر لفظ سے مجاہد کے دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔“

(پیش لفظ حیات سید احمد شہید از محمد اقبال سلیم گاہندی،
(مطبوعہ نفیس ایڈمی کراچی، ص ۲)

”سوانح احمدی“ سید صاحب کے حالات میں سب سے پہلی کتاب ہے جو یورپ سے آراستہ ہوئی اور اس موضوع پر دوسری کتابوں کے لیے بنیادی مواد ثابت ہوئی۔ . . . اس میں ان کی سپاہیانہ زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا بیان ہے اور تمام معکوں کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو سختوں وغیرہ سے پیش آئے تھے۔“ (منفذ حیات سید احمد شہید از محمد انور قادی، ص ۴۴)

یہاں وغیرہ سے پروفیسر صاحب کی مراد صدر کے اہل اسلام ہیں، لیکن لفظ کے ارقام

میں ابہام کا التزام یوں رد کر رکھا ہے کہ لوگ اس سے انگریز بھی ملو لینا چاہیں تو کوئی حرج نہ ہو
ہاں تو جعفر صاحب اپنی کتاب کے مندرجات کے درست ہونے کے متعلق خود کیا
کہتے ہیں یہ بھی دیکھنا چاہیے۔

”میں نے اس کتاب رسواخ احمدی، تواریح عجیب، کو بڑے راست باز
لوگوں کی متعدد تحریروں سے نقل کیا ہے، جنہوں نے ان واقعات کو غور و یکجا
میرے نزدیک اس کتاب کی روایت میں درج کوئی یا مبالغہ کو کچھ دخل نہیں؟
(رسواخ احمدی، منولہ محمد جعفر خٹا، عیسوی، ص ۳)

(مطبوعہ صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی، منٹری بہار الدین)
”جعفر خٹا عیسوی نے اپنی کتاب رسواخ احمدی کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ
سید صاحب کے حالات میں میں سے زیادہ بدلائل شرعی اعلانات ہیں کہ سرکار
کی مخالفت کوئی نہ کرے۔ اور مہر صاحب نے اپنی کتاب سید احمد شہید کے
۲۴ ویں باب میں جامع الشرائط امام کے سلسلہ میں تقریر فرمایا ہے کہ جہاں میں
کفار و فاسق سے بھی مدد ملی جاسکتی ہے۔ غیر مسلم دشمن کے مقابلے میں غیر مسلم
معاہد کو رفیق بنایا۔“ (سید احمد شہید کد، صحیح تصویر از وحید احمد مسعود، ص ۱۵۳)
جعفر صاحب نے دابیت کے جوش میں سید صاحب اور اسماعیل صاحب کو بہت بڑا
ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے، حتیٰ کہ مشہور مؤرخ رفیق احمد جعفری کو ان کی
جانب داری پر کبنا پڑا۔

”کتاب تواریح عجیب، کالا پانی، بڑی دلچسپ ہے اور بڑے مزہ خیز
احوال و حوادث پر مشتمل ہے، لیکن اس میں ایک بڑی کمی بھی ہے۔ مولانا نے
سب کچھ لکھا ہے، لیکن رفقا سے زنداں کے ذکر سے بالکل گریز کیا ہے۔۔۔۔۔
حق بات یہ ہے کہ مولانا پرانا اور تحریک دابیت کا جوش اس قدر نمایاں غالب

نشا کہ وہ اپنے اور اپنی تحریک کے سوا کسی اور چیز کا ذکر ناپسند نہیں کرتے تھے
اگر انہوں نے کالے پانی کے دوسرے بلند مرتبہ اور اعلیٰ مقام اسیرین کا ذکر کیا
ہوتا تو اس کتاب کی افادیت اور اہمیت بہت زیادہ ہوتی۔

(نہادشاہ ظفر اور ان کا عہد، صفحہ آخر)

دہلیت کے اس عرش میں انہوں نے جس قدر افتخار کیا ہے، جتنا اپنے مدد میں کو بڑھا چڑھا کر
بیان کیا ہے، اس سے قطع نظر سوانح احمدی اور مکتوبات سید احمد شہید میں جس قدر سچی باتیں ان کی زبان
قلم سے نکلے ہیں، انہیں بھی ان کے اختلاف برداشت نہیں کر سکتے اور اب جعفر صاحب کی یہ حالت ہے کہ

نہ خدا ہی ملانہ وصال صنم !

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

پہنچ بھلنے میں کنجوسی سے کام لے کر وہ تاریخ کے گناہگار بن گئے اور ایک آدھ بچا فقرہ یا پیرا لکھ کر اپنے
پیرروں کی دشنام طرازی کا ہدف بنے۔ فَاغَتْ بِعُرْوَايَا اُولٰٓئِیْ الْاَبْحَاہِ۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد نہ کرنے کے شاہ اسماعیل کے فتوے
کے اندراج پر سر سید احمد خاں اور جعفر نقاشی سہری تو اپنی قوم کے معتبہ ہوئے تھے، لیکن اس کو کیا
کیا جائے کہ اسماعیل دہلوی کو پیرائے شہید اور علامہ فضل حق کو مولوی منقعی، لکھنے والا مرزا حیرت
دہلوی بھی اس واقعے کی تصدیق کرتا ہے اور زیادہ واضح الفاظ میں کہ انگریز کے دشمن کو پیر شہید
نے اپنا دشمن قرار دیا تھا۔ یہ ادراک ہے کہ آج کے دانشور اس حرکت پر مرزا حیرت دہلوی کو
”جمہوروں کا بادشاہ قرار دیتے ہیں۔“

جو تیرے رازواں تھے، بڑے معتبر تھے

کچھ نیم آشنا ملے، کچھ بے خبر ملے

”مکملتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا دعوہ فرمایا، شروع کیا
اور سختوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے، تو ایک شخص نے دریافت کیا آپ

انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں، ایک تو ان کی عزیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی اہلکار کے ادا کرنے میں وہ ذابھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے، بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گونڈ پرانچی نہ آنے دیں۔ (حیات طیبہ، انصر زاہد راجہ دہلوی ص ۶۹ مطبوعہ قزاقی دہلی) یاد رہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کو پہلے ان لوگوں نے مستند اور مضبوط کتاب قرار دیا تھا۔

”دوسری کتاب مرزا حیرت مرحوم کی حیات طیبہ ہے جو شاہ اسماعیل کی نہایت مبسوط سوانح عمری ہے، (الفرقان، شہید نمبر ۱۳۵ ص ۵۱)

جسٹس تھامس سیری اور مرزا حیرت دہلوی نے اپنے ممدوحین کو بنائے سنوارنے میں

اپنی عاقبت خراب کر لی، جہت کچھ کیا ہے

کیا کچھ کیا نہ خود کو چھپانے کے واسطے

عریانوں کو اوڑھ لیا شال کی طرح

لیکن انگریزوں سے سید اسماعیل کی دفا داری کہیں نہ کہیں ان دونوں کے قلم سے جھلک ہی پڑی
سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیتہ علماء ہند کہتے ہیں کہ انگریز کے شکنجہ انتقام سے بچنے کے لیے ہم پہلے یہ کہتے رہے ہیں کہ یہ مجاہد انگریز کے مخالف نہیں تھے۔ (استقامت، استقلال، بہت، جرات اور حق گوئی کی داد دیجئے)

”دوسری طرف سید صاحب کے وہ ماننے والے جن کو دہلی کہا جاتا تھا
جب تقریباً نصف صدی تک انگریزی اقتدار سے ٹکراتے رہنے کے بعد حکیمانہ طور
ہو گئے اور مجبوراً ان کو اپنی شکست تسلیم کرنا پڑی، تو عوام کے ہنگامہ کراہات
انہوں نے مجاہدین منظرہ کی ہنگامہ آرائی اور رسالوں اور پمفلٹوں کی شاعت سے
دے دیا، مگر انگریز کے شکنجہ انتقام سے بچنے کے لیے لامحالہ ان کو یہ ثابت کرنا پڑا

کہ سید صاحب اور آپ کے ساتھی انگریزی حکومت کے دفاع کرتے اور ان کی مجاہدہ
مرگرمیاں صرف سیکھ حکومت کے خلاف تھیں۔۔۔ چنانچہ اسلام نامہ کا یہ فقرہ
سوانح احمدی ص ۲۲ میں جلی قلم سے لکھا گیا ہے: ”ذبا سرکار انگریزی محاسمت دایم و
نہ بیج راہ تنازعہات کہ از رعایا او بستیم و بحمایش از مظالم برآید۔“

(علمائے ہند کا شاندار ماضی“ جلد دوم، ص ۲۸۴)

بھٹی بیٹو تھانہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے انگریزی اقتدار کے خلاف وہ کون سا
جیروا اٹھا جس کو تم انگریز کے ڈسے سے آج تک چھپاتے رہے ہو اور اب اس راز کو پشت ازبان کرتے
ہو۔ پھر یہ نصف صدی تک انگریزی اقتدار سے ٹکراتے رہنے کی ہندوستانی قبائے ان مقتدر
کے قیامت پر موزوں کب ہے؟ تم پچاس برس تک کی بات کرتے ہو میں کہنا ہوں کسی ایک لمحے کی
بات کرو جب انہوں نے انگریزی اقتدار سے ٹکرانے کی خاموشی کا اظہار کیا ہو مبالغہ تو اسے
کہتے ہیں کہ کم کو زیادہ بتایا جاتے، لیکن عقائد و ہمتیوں کی ڈار کہنے کو کیا کہتے ہیں
ۛ کوئی مسئلہ کہ ہم بت لائیں کیا

مقتدر و مہابی لیڈر سید ندیر حسین دہلوی کی سوانح عمری میں اس تحریک مجاہدین کی اصلیت
کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

”آپ راسماعیل دہلوی، اپنے شیخ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم
کر کے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لیے پنجاب پہنچے گوشت و تخم
نے بھی آپ کے اس ارادے میں کسی طرح کی مزاحمت یا پیچیدگی پیدا نہیں کی۔“

(الحیات بعد الممات“ ص ۲۰۳)

اب دیکھئے کہ نواب صدیق حسن خاں اس تحریک کو کیا گردانتے ہیں اور ان کی انگریز دوستی کے
متعلق کیا کہتے ہیں، مگر پہلے نواب صاحب کے متعلق غلام رسول تمبر کی رائے ملاحظہ فرمائیں،
”نواب صاحب مرحوم نے سید صاحب کا ذکر مختلف کتابوں میں کیا ہے۔۔۔“

پھر نواب کا تعلق فرمائو یا ان کو ایک اور اعتراض سید صاحب سے بھی براہِ قیاس
اس لیے انہیں سید صاحب کے خاصے حالات معلوم ہوں گے (سید محمد شہید ص ۳۳)
نواب صدیقی حسن خاں اس بات کی پُر زور اور بدلائل تردید کرتے ہیں کہ مخبر کبک مجاہدین
والے انگریزوں کے خلاف تھے،

”مذاہبوں نے سرکارِ انگریز سے کبھی جہاد کیا اور نہ ہندوستان میں جہاد مانوئی
جہاد کا لکھا۔۔۔ اسی طرح جو تصنیف سید احمد شاہ صاحب بریلوی اور ان کے
مریدوں کی ہے۔ اس میں کہیں بھی ذکرِ جہاد نہیں ہے اور نہ مسئلہ جہاد کا اٹھا
ہے۔۔۔ تقویۃ الایمان مولانا مولوی اسماعیل دہلوی جتے اس میں ذکرِ ذمہ و
بدعت کا ہے۔ کہیں دہلیوں کا اور سید جہاد کا پتا بھی نہیں۔۔۔ گورنمنٹ اور
ساری کتابوں کو جمع فرما کر ملاحظہ کر لے گی، تو کسی کتاب میں ان کتب سے مسئلہ جہاد
کا یا بغاوت کا سرکارِ انگلشیہ سے یا فساد سکیانے کی کوئی بات نہ پاوے گی۔“
(”ترجمانِ دہلیہ“ ص ۵۱، ۵۲)

۷۔ کرشمہ گرم سوال است لب مکن رنجہ
کہ احتیاج ہر پرسیدین زبانی نیست

ایک اور مشہور دہلی کا اعتراف ملاحظہ فرمائیے اور سوچیے کہ یہ کس کس کو دشنام طرازی کا
ہدف بناتے رہیں گے۔ ان کی تو ساری کتابوں میں یہ حقیقت کسی تلکی طرح اُٹھرا آئی ہے،
”سید صاحب، مولوی اسماعیل صاحب نے انگریزوں سے جہاد کرنے
کا ارادہ نہیں کیا اور مولوی اسماعیل صاحب نے مکلتہ میں اپنی مجلس و عظم میں برملا
کہہ دیا کہ ہم کو انگریزوں سے جہاد کرنا ہوتا نہیں۔“

(اشاعت السنۃ، از مولوی محمد حسین بٹالوی،

پہلے تو سب لوگ یہ حقیقت غماز کرتے رہے کہ سید احمد اور شاہ اسماعیل انگریزوں کے
دشمن اور ایکٹھ تھے، مگر اب بنی محاذ پر فضل حق اور ان کے شاگردوں سے شکست کھانے کے
بعد سیاسی طور پر مذکورہ بالا دونوں مجاہدوں کو لیڈر بنانے کی خواہش کی جا رہی ہے اس واقعہ
کا اعتراف ملاحظہ کیجئے:

”حضرت کی شہادت کے بعد جو حالات پیدا ہوئے... اس زمانے میں جو
کئی میں حضرت شہید اور ان کے مقاصد پر لکھی گئیں، ان میں اس کو بار بار ثابت کیا
گیا کہ انگریزوں کے خلاف حضرت سید احمد شہید نے کوئی حرکت نہیں کی۔“
”تحریک جہاد کا قیمتی سرمایہ پیش لفظ مکتوبات سید احمد شہید
(از محمد اقبال سلیم گاہندی - ص ۴)

سر سید نے ایک اور پہلو سے انگریزوں سے ان حضرات کی برتروری کی وضاحت
کی ہے:

”وہ اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں
چھوڑ گئے تھے اور ان کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے محافظوں پر حملہ کرنا
نہایت ممنوع ہے؟ (مقالات سر سید، حصہ ہفتم، ص ۱۴۸)

مسعود عالم ندوی صاحب اس تحریک مجاہدین کو ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک
سمجھتے ہیں، لیکن اس بات کو ماننے پر مجبور ہیں کہ انگریزی حکومت کی پالیسی کے مطابق ان
”مجاہدوں“ نے سبکدوشی سے جنگ لڑی، ملاحظہ کیجئے:

”اُس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ جاری
تھی، راجہ کو شکست ہوئی اور اس نے انگریزوں کے ساتھ میں جا کر پناہ لی، بولس
وقت تک پنجاب پر قابض ہو چکے تھے۔ حکومت مولانا ولایت علی کو اطلاع دی
کہ اب گلاب سنگھ پر حملہ خود انگریزی حکومت سے لڑائی مول لینا ہوگا۔“

حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین کے ذیلیے سکھوں کو طاقت دی جاتے اسی لیے شروع شروع میں مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی، لیکن پنجاب کا اکثر حصہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا، تو مجاہدین حکومت کی نگاہ میں کھٹکتے لگے مجاہدین بھی خواہ مخواہ حکومت سے نہرو آزار ہونا خلافِ مصلحت سمجھنے لگے۔

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، از مسعود عالم ندوی، ص ۵۵، ۵۶)
 ازراہِ کرم اس اقتباس کو بار بار پڑھیے، کئی مسائل اس میں حل ہو گئے ہیں جب پنجاب پر انگریز قابض ہو جاتے ہیں، تو راجہ گلاب سنگھ پر حملے نے مجاہدین کو روک دیتے ہیں۔ شروع شروع میں مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی۔ انگریز مجاہدین کے ہاتھوں سکھوں کی طاقت توڑنا چاہتے تھے اور مجاہدین ان کی یہ ڈیوٹی انجام دے رہے تھے اور مجاہدین کھڑدیک حکومت انگلیشیہ سے نہرو آزار ہونا خواہ مخواہ بھی سختاً اور خلافِ مصلحت بھی، اللہ اکبر!
 اب ان لوگوں کے ہاتھوں عبید اللہ سندھی صاحب کا جو حال ہو گیا، وہ تو بہتر حال یہی ہو گا، مگر انہوں نے جماعتِ مجاہدین کا گزارا، انگریزی حکومت کے نان و نفقے پر قرار دیا ہے
 دیکھ لیجئے:

”ایک دفعہ میں سرحد پار پریز کے مقام پر گیا۔۔۔۔۔ میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعتِ مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے، ادھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر کچھ میں نے دیکھا وہ حد درجہ فحش و فاسق اور قابلِ رحم تھا، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے، کس بُری حالت میں ہے اور اس کی گزراں اور اس کی زندگی کس طرح سا جہزادہ عبدالقیوم خاں کی فسطائے سے انگریزی حکومت کی رہن منت ہے۔“

(انوارِ طفولیات مولانا عبید اللہ سندھی، از محمد سرور، ص ۲۶۲)

انگریزوں

کی

دعوتیں!

خُم پہ خُم پی گئے ہیں اک حضرت

بیٹ ہے یا پچھال چڑے کی

”تحریک مجاہدین کے رہنماؤں کا انگریزوں کے خلاف جہاد کے بارے میں موقف سامنے آچکا ہے۔ انگریزوں سے ان کی وفاداری کے اعلانات اور واقعات پیش کیے جا چکے ہیں۔ انگریزوں کی ہوس اقتدار سے نبرد آزما لوگوں کو یہ مجاہد بُرا سمجھتے ہیں اور اس بات کا بڑا اعلان کرتے ہیں کہ ان کی عمل داری میں دین کو جو ہر طرح سے خیریت ہے، اس کے بعد انگریزوں سے جنگ لڑنا ان کے مذہب کی رو سے جائز نہیں اور ہر بات پر انگریزوں کی وفاداری اور خدمت گاری کا اعلان کرتے رہے۔“

اب آپ مصورانِ معتبر کی بنائی ہوئی تصویر کے علی الرحمہ شاہ اسماعیل اور سید احمد کی ذات کے اس پہلو کی عکاسی ملاحظہ کریں، جس میں ان کے ساتھ انگریزوں کے مراسم ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے انگریز مسرپرستوں کو ان کی تحریک کی کامیابی کے لیے کتنی جلدی تھی، وہ انہیں کھلا پلا کر تیار کرتے تھے اور یہ بھی انگریزوں کا مالِ شہِ باور کی طرح ڈکارے بغیر منعم کر جاتے تھے۔

مارا ہو جس صحبت جاں پرور یا راست

ورنہ غرض از باوہ، نہ مستی نہ خم از راست

سب سے پہلے تو سید احمد بریلوی کے سب سے عظیم سوانح نگار کی زبان سے دعوت کھانے کی بات سنئے: ”ایک انگریز کا سارے قافلے کی دعوت کرنا“ کے زیرِ عنوان لکھا ہے،

ایک انگریز گھوڑے پر سوار بہت سا کھانا قسم قسم کا بیگیوں میں بکھوٹے ہوئے چلا آتا ہے۔ اس نے کشتی کے نزدیک آکر پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ بعد سلام و مزاج پرسی کے عرض کیا کہ تین روز سے میں نے نوکر واسطے لانے خبر تشریف آوری حضور اس طرف تعینات کر رکھے تھے سو آج انہوں نے مجھ کو خبر دی یہ ماہر واسطے حضور اور کل تافے کے تیار کئے لایا ہوں۔ براہِ بندہ فوازی اس کو قبول فرمائیں۔ حضرت نے اپنے کو میرا کو شکم دیا کہ فوراً وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کرو، و قریب دو گھنٹی تک وہ انگریز حضور میں حاضر ہوا۔

(سوانح احمدی، از جعفر تھانی، ص ۴۹)

جعفر تھانی مری صاحب کو تو اسی قسم کی حقیقتیں لکھ جانے پر بد متوں نے غلط گو قرار دے ڈالا ہے، لیکن انگریزوں کی روٹیوں پر گزارا کرنے کا یہ سدا و اقدان صاحب کے علاوہ ایک ایسے صاحب بھی لکھتے ہیں جو نہ صرف چشم دید گواہ ہیں، بلکہ شریکِ طعام بھی تھے، کیونکہ سید احمد بریلوی کے سگے بھانجے ہیں، سید محمد علیؒ۔

لرز رہی ہے مری لو پڑے پڑے ہی غفر

وہ لے چلے ہیں کہاں سامنے ہوا کے منجھے!

سید محمد علیؒ کے بارے میں غلام رسولؒ کہتے ہیں:

”سید صاحب (سید احمد بریلوی) کے چار بھانجے تھے، بڑے سید محمد علیؒ جنہوں نے ابتدا سے آغازِ جہاد تک کے حالات لکھے اور اس کتاب کا نام مخزنِ احمدی رکھا۔ وہ ایک مرتبہ چھپ بھی گئی تھی، مگر اب کیاب بلکہ نایاب بھی ہے۔“

(افاداتِ مہر، ص ۱۳۹)

اب دوا رو چھپ گئی ہے اور مکتبہ قادیانہ اندرونِ لہوری دروازہ لاہور سے مل گئی ہے

سے نمایاب کتاب کا ایک نسخہ کربہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (بانی و صدر مرکزی مجلس
 لاہور) کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

انگریزی برائے مع چند محافیا پرا طعام مشعل کشتی رسید و رسید کہ
 پادری صاحب کجاست، حضرت از کشتی جواب دادند کہ این جہا موجود
 تشریف بیارند فی الفور از اسب فرود آمدہ و کلابہ خود بدست خود پھنساں
 کشتی رسید و بعد از پشش سال یک گریہ عرض سنانید کہ از سہ روز خبر داران
 برائے اخبار قافلہ شریف ہمراہی حضرت موجود بود امروز خبر آوردند کہ اغلب کہ
 حضرت مع قافلہ امروز بمجاذات مکان شما فروکش خوانند شد مگر وہاں بود و رفت
 جاوید برائے ترتیب ما حضری تا غروب آفتاب مشغول ہوں، پہل لیار گردید بچند
 حاضر آورد، حضرت ملازمان را امور ساختند تا آن طعمہ را از ظروف ادا فی
 ایشان بر آوردہ و ظروف خویش بگیریہ ما موریں حسب الامر آوردہ در قافلہ تقسیم ساختند
 (”محزون احمدی“ از سید محمد علی ص ۶۷)

(مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ)

یہی واقعہ ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد جتہ اول میں تحریر کیا ہے جس ص ۶۱۸ (۲۱۷)
 ظاہر ہے کہ ہر روز جو انگریزان کی دعوتیں کرتے تھے، ان سب کا ذکر تو نہیں کیا جاسکتا تھا
 مگر چونکہ یہ ایک بار کا واقعہ نہیں، اس لیے ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں،
 ”موضع امر دلی سے چار میل پہلے حضرت کے پاس ایک انگریز کی
 بندوستانی بیوی آئی اور کھانے کی دعوت دی، انہوں نے انکار کر دیا پھر
 فریاد کیا، تو آپ نے فرمایا تمہاری دعوت کیوں نہ قبول کریں گے سو آپ
 نے دعوت قبول فرمائی، اس دن اس کی دعوت کھاتی۔“

• (سیرت سید احمد شہید جتہ اول ص ۲۱۸)

حاشیے میں ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ اس انگریز کی ہندوستانی بی بی کی دعوت اس لیے قبول نہیں کی تھی کہ وہ انگریز کے پاس تھی، یہ تعلق ناجائز تھا اور اس سلسلے کا بے مال حرام اور ناجائز تھا۔ (ص ۲۲۰)

اب اس سوال کو تو علمائے دین ہی حل کر سکتے ہیں کہ ان انگریز غاصبوں کا مال کھانے کا کیا ہوا زنتھا، جنہوں نے اسلامیان ہند سے مختلف حربوں کے ذریعے حکومت چھین لی تھی اور مختلف غیبت مندرجہ ان کے اقتدار سے بیزار تھے اور یہ بات بھی علمائے کرام ہی بتا سکتے ہیں کہ جو ہندوستانی بی بی کسی انگریز کے پاس ناجائز طور سے رہتی تھی، اس کا کھانا ناجائز ہو تو جو انگریز کسی ہندوستانی عورت کو مدخلہ گورنمنٹ کیجے ہوئے ہو، اس کے کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ پھر یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ اس کھانے کے عمل میں اس ہندوستانی بی بی کا عمل دخل کس طرح ختم ہوا تھا۔

مہربان! انہوں نے داشتہ کا کھانا قبول نہیں کیا، زنا کارا انگریز کا کھانا قبول نہ کیا آخر یہ بھی تو دیکھنا ضروری ہے کہ کیا کھانا ہے، کوئی غلط چیز تو نہیں کھا گئے۔

حریف صافی و دوری نہ ای خطا این جا ست

تمیز نا خوش و خوش می کنی بلا این جا ست

مگر میں تو اس مسئلے میں الجھا ہوا ہوں کہ سید احمد صاحب سفر کے عالم میں تھے، فوجی بگڑ چکے تھے، ایک ہندوستانی بی بی آئیں، تو یہ بات انہوں نے کیسے جان لی کہ وہ خاتون کون ہے اور کس انگریز کی داشتہ ہے اور انہیں انگریز کی دعوت قبول کرنا ہے، خاتون کی نہیں کہیں ابابا کے بعد یہ صورت اپنے عالم الغیب ہونے کی تو نہیں؟

اب ایک اور مسئلہ تو ہر طلب ہے کہ انگریزوں کے یہ می لطف، فوج اکٹھی کرتے ہے لوگوں سے ٹیکس وصول کرتے رہے۔ فوج لے کر اسلام کے تحفظ کی جگہ لڑنے مسکھوں اور سرحدی مسلمانوں کے علاقے کی طرف چل پڑے۔ طویل سفر ایک مدت میں انہوں نے طے

کیا۔ انگریز ان تمام معاملات میں کبھی ان سے نہیں اُچھے، انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ فوج کو لے کر کدھر جا رہے ہو۔ وہ راستے میں ان کے کام و دھن کی تواضع میں بھی مصروف رہے اور اتنا یہ بے کہ جو یہ لوگ سرحدی علاقے میں پہنچ گئے تو ان کی کچھ ہنڈیاں، جو انگریزی علاقے میں تھیں، ان کی رقوم وصول کر کے انگریزوں نے انہیں سرحد بھجوائیں انگریز اپنے دشمن کے ساتھ اتنا محبت کا سلوک کرے، تاہم انہیں پہلے تو یہ بات کبھی سامنے نہیں آئی، لیکن یہ تاریخ تو ہماری اپنی ہے، ہم جیسے چاہیں گے بنائیں گے۔

”سید صاحب جہاد میں مصروف تھے، اس وقت ایک ہنڈیاں

ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکارانِ دہلی مرسلہ محمد اسحاق صاحب بنام

سید صاحب روانہ ہوئی تھی، ملک پنجاب میں وصول نہ ہونے پر سات ہزار

کی واپسی کا دعویٰ عدالتِ دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری ہوا، پھر منگام اسپل

عدالتِ عالیہ دیوان بانی کورٹ آف گری جج کی حکم مدعی بحال رہا۔

(تواریخ عجمیہ: از یحییٰ عثمانی، ص ۸۹)

عثمانی صری صاحب نے تو مشے نمودار فرمائے ایک ہنڈی کی ادائیگی کا ذکر

کیا ہے۔ خود غلام رسول قہر نے اس سلسلے کو بہت طویل قرار دیا ہے۔ یہ ہنڈی ہی کا ذکر نہیں ہنڈیوں کی بات ہے۔

”سید احمد شہید کے پاس ہندوستان سے جو ہنڈیاں آئی تھیں ان میں

اشرفیوں کا بھی ذکر ہے اور روپوں کا بھی۔“

(افاداتِ قہر: از ڈاکٹر شیر بہادر خان پٹی)

(مکتوب مرقوم، ۱۸ جنوری ۱۹۶۲ء ص ۹۵)

انگریز کے جاسوس

لوگ اکثر اپنے چہروں پر چڑھالیتے ہیں خول
توجہ سونا سمجھتا ہے کہیں پتیل نہ ہو

ان تمام حالات و واقعات کی بنا پر جہاد ظہر من الشمس ہیں اور جن کو چھپانے کی کوشش کے باوجود ظلم کا ان عصر حاضر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکے، اگر سرحدی مسلمانوں نے سید احمد اور اسماعیل دہلوی صاحبان اور ان کے ہمراہیوں کو انگریزوں کا ہاموس سمجھا تو غلط ہے کہ غلط نہیں سمجھا، کوئی ایک بات بھی تو اس حقیقت کی تردید نہیں کرتی۔

”جب حضرت شہید اعظم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقے میں داخل ہوئے دجو اس وقت انگریزی عمل داری میں نہ تھے، تو ان کے متعلق عام طور سے یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ اس بنا پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوش گوار تھے۔“

(حاشیہ مقالات سر سید، حصہ شانزدہم)

(از محمد اسماعیل پانی پتی، ص ۲۵۱)

خود غلام رسول قمر کو یہ ماننا پڑا ہے کہ سرحد کے علماء نے سید صاحب کو انگریزوں کا

جاسوس قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیا:

”وہ ہمارے اور تمہارے مذہب کے مخالف ہیں، ایک نیا دین

انہوں نے نکالا ہے، کسی ولی اور بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو برا کہتے ہیں

انگریزوں نے انہیں تمہارے ملک کا مال معلوم کرنے کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا ہے، ان کی باتوں میں دانا، عجیب نہیں، تمہارا ملک چھنواویں۔“
 (سید احمد شہیدؒ حصہ دوم، از غلام رسول مہر، ص ۲۸۰)
 ”کارو میں جوان شاہ سید صاحب سے ملاقات کے لیے آئے اور ایک بڑا بھیٹنا بطورِ نذر پیش کیا۔ انہی سے معلوم ہوا کہ لوگ عام طور پر سید صاحب کو انگریزوں کا جاسوس سمجھتے ہیں، اسی لیے بدکتے ہیں۔“

(سید احمد شہیدؒ از غلام رسول مہر، ص ۳۹۷)



انگریزوں کے خلاف

جہاد کے بارے میں

وہابیوں کا موقف

سوچو تو سلوٹوں سے بھری ہے تمام رُوح
دیکھو تو اک شکن بھی نہیں ہے کاس میں

دہلیوں کے عظیم قائد سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ بمنزلہ حضرت عمر فاروقؓ، مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی گفتار و کردار سے انگریز دوستی شکیستی رہی۔ انہوں نے انگریز کا فوجی و رعایا ہونے کا فخر یہ اغلاز میں اعلان کیا۔ انگریز کے مقاصد حکمرانی کے لیے جہاد کیا۔ تو کوئی دہر نہیں کہ ان کے پیرو، انہی کے نقوش قدم کو مشعل راہ نہ بنائے۔

”جنگ آزادی کے مخالف کون“ میں آپ علامہ فرما چکے ہیں کہ جنگ آزادی میں دہلیوں کے مخالفوں نے حسد لیا اور یہ لوگ سرٹیکٹوں اور نقد انعامات کے پیچھے پڑے رہے۔ پھر یہ کیوں نہ ہوتا کہ دہلی انگریز کی وفاداری پر افتخار کا، ظہار کر سکیں اور اس کے خلاف جہاد کو خلاف اسلام قرار دیں۔

فریب دینے کی توفیق ہے تو دسے دیجیے

کہ زہر جان کے پینا مرا شعار نہیں

* مولوی محبوب علی دہلوی نے زمانہ غدر کی لڑائی کی نسبت جس میں

بخت خاں باغی نے ان کو شریک کرنا چاہا تھا، جہاد ہونے کا انکار کیا،

اور مولوی محمد حسین لاہوری بھی اب تک بذریعہ پرچہ اشاعت اس نتیجہ جہاد کا

نسبت گورنمنٹ ہند کے انکار کرتے ہیں۔

(مسول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور، ۱۰ نومبر ۱۹۷۶ء)

ملاحظہ فرمائیے نواب صدیق حسن خاں برٹش گورنمنٹ کی کالسیسی کو سرکارِ برصغیر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرار دیتے ہیں اور انگریز کے خلاف جہاد میں مصروف علماء و خواص اور عوام کو فسادِ دی اور عاقبتِ نااندیش کہتے ہیں، کوئی ان سے پوچھے کہ حضرت! آپ کو انگریز کی ٹمک حلال کرنی ہے، تو کیجئے، حضور سرور کائناتِ فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوة کا ارشاد آپ نے انگریزوں کی حمایت میں کہاں سے نکال لیا؟

”پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکمِ مذہبی سے جاہل ہیں اس امر میں کہ حکومتِ برٹش مٹ جاوے اور یہ امن و امان جو کج حاصل ہے، فساد کے پردہ میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے، سخت نادانی و بے وقوفی کی بات ہے، بھلا ان عاقبتِ نااندیشوں کا چال ہوگا، یا اس پیغمبرِ صادق کا فرمایا ہوا جس کا کہا ہوا آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اس کے حسلات نہیں ہو سکتا۔“

(ترجمانِ دہلیہ از نواب صدیق حسن خاں، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ ص ۷۷)
آج کے دہلیت خواہوں سے پوچھیے کہ کیسا امن و کنسی آسائش اور کہاں کی آزادی! آپ انگریزوں کے زمانہ اقتدار کی ثابت کر سکتے ہیں، مگر نہیں، اگر برلن میں ہوں تو پھر بھی یہی فتویٰ دیں کہ سرکار کی خوشنودی جن مشکلات کا باعث ہوئی ہے،
”جو امن و آسائش و آزادی اس حکومتِ انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی ہے، کسی حکومت میں نہ تھی۔“

(ترجمانِ دہلیہ، ص ۹)
مولوی محمد حسین جالوی دہلیوں کے مایہ ناز عالم ہیں۔ انہوں نے اسلام کے چہاڑگی قلعی یوں کھول دی ہے کہ اپنی کتاب کے سرورق پر یہ لکھا ہے:
”پنجاب کے نامور ہر و عمریز لیٹینٹ گورنر سر چارلس ایچسن صاحب ہلور

کے سی ایس آئی وغیرہ وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اس کا ڈی کیٹ بنوا منظور فرمایا اور اس میں مسئلہ جہاد کی ایسی تفسیر و شرح ہوئی ہے، جس کی نظیر اس وقت یہ کسی کتاب میں جو اس باب میں تالیف و مطبوع ہو چکی ہیں، پائی نہیں گئی ہے۔
التماس کے عنوان سے لکھا ہے :

”ہم ان ناموں کو بشمول رسالہ اقتصاد یا بذریعہ اشاعت السنۃ گورنمنٹ میں پیش کریں گے، اور سلطنت انگلشیہ کی نسبت ان کی وفاداری اطاعت شعری کو خوب خوب شہرت دیں گے۔“

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد، حصہ اول)

(از ابو سعید محمد حسین لاہوری، مطبوعہ وکتوریہ پریس)

”بعض سرحدی ناوان ناواقف از احکام اسلام و قرآن حق تنہا ایک سر آٹا یا ستور باندھ کر غازی یا شہید ہونے کی حیثیت سے چل پڑتے ہیں اور کسی کیمپ یا چھاؤنی انگریزی میں پہنچ کر کسی افسر یا فوجی ملازم کو مار ڈالتے ہیں، پھر اس کی سزا میں پھانسی پاتے ہیں، یہ اور بھی فساد و بغاوت اور عداوت ہے۔ ایسی صورتوں سے اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام موت مرنا ہے اور بہشت کی خوشیوں سے محروم رہنا اور ایسے فسادوں کو جہاد سمجھنا اور اس میں شہادت کی کہیں کرنا سراسر جہالت و حماقت ہے۔“

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد، ص ۷۱)

غلام رسول مہران محمد حسین بٹالوی کے متعلق یہ ماننے پر مجبور ہیں،
مولانا محمد حسین بٹالوی نے یقیناً جہاد کے خلاف لکھا تھا، یہ سرتبہ

بلا اثر ہو یا مولانا کی رائے سب سے خود بھی ہو

(افادات مہر، ص ۲۳۱)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بھی "انگریزوں سے جہاد کے خلاف لکھا جو اس طبقے کے لیے نئی بات نہیں، اصل میں جب آپ انگریزوں کی وفاداری کے میدان میں کھیلنے کے دھنی ہیں، تو پھر آپ ایسے معاملات میں خاموشی کو شعار کیوں نہیں بنائے کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہیں، تو صورت عجیب برپا ہوتی ہے۔

تم چپ رہو تو اس میں تمہارا بھرم بھی ہے
یوں سب کے سامنے تو نہ اٹھلاؤ دوستو:

اس کے بعد غلام رسول مہر نے ایک اور اہل حدیث رہنما شاعر الشہامہ قسری کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے سلسلہ میں لاہور میں ہونے والی اہل حدیث کانفرنس میں سیکرٹری کی حیثیت سے اعراض و مقاصد کی پہلی شق پیش کی تھی،

"حکومت برطانیہ سے وفاداری"

اسے کہتے ہیں، "باد و وہ جو سر چڑھ کر بولے"



انگریزوں کے ایما پر

سکھوں سے لڑائی

جلوہ کاروانِ مانیست بہ نالہ جرس

عشقِ توراہ می برداشوق تو زادمی دہد

جب تحریک مجاہدین کے قائدین نے اپنی سرگرمیوں کا رخ تصنیف و تالیف سے جہاد کی طرف موڑا، اس وقت تحریک کے قائدین خود اور ان کے ساتھی "ان کے پڑمب یہی کہتے تھے کہ ان کی لڑائی مسکھوں اور منافق مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ انگریزوں کے ساتھ نہیں۔ اب ہمارے دوستوں نے اس لڑائی کا رخ انگریزوں کی طرف موڑ دینے کی کوشش کی ہے۔ میری یہ بات بھی گزشتہ گفتات کی طرح بے دلیل نہیں ہے۔ تحقیق جدید کے سب سے بڑے داعی غلام رسول مہر بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ گزشتہ سو سو سال سے یہ سمجھا اور کہا جاتا رہا ہے کہ ان مجاہدوں کی لڑائی مسکھوں سے تھی، لیکن اب وہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں، انگریزوں کے خلاف تھی۔ یاد رہے کہ سو سو سال کا مطلب سو سو سال ہی ہے، یعنی تحریک کے زمانے سے لے کر اب تک سب لوگوں کو یہی علم تھا، انکشاف اب ہوا ہے۔ سو چنانچہ ایسے کہ یہ انکشاف مہر صاحب پر کشف کی صورت میں تو نہیں ہوا، ان کے ممدوح سید احمد صاحب کو خود باندا ہوا ہوتا تھا، کہ یہ لڑائی انگریزوں کے ایما پر مسکھوں کے خلاف نہیں تھی، بلکہ خود انگریزوں کے خلاف تھی

برچہ حقیقت اگر ماند پرودہ

جرم نگاہ دیدہ صورت پرست ملت

"آیا وہ صرف مسکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، جیسا کہ سو سو سال سے سمجھا

جا رہا ہے۔" (سید احمد شہید از غلام رسول مہر، ص ۲۵۰)

شیخ محمد اکرام نے "موج کوثر" مطبوعہ فیروز سنز لاہور کے صفحہ ۱۲ پر سوانح احمدی مصنفہ مولوی محمد جعفر حقانی سری "تاریخ پنجاب" از ایس ایم لطیف اور THE PUNJAB GARRETT IN HUNDREDED YEARS AGO کے حوالے سے بتایا ہے کہ اثنائے راہ ملک پنجاب سید احمد بریلوی نے سکھوں کے مظالم دیکھ کر فرمایا کہ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا۔

مشہور مستشرق گارسن ڈناسی سید احمد بریلوی کے متعلق لکھتا ہے :
 "وہ بیس سال کا عرصہ ہوا کہ سکھوں کے خلاف جہاد کرنا سہوارا گیا۔"
 (طبقات الشعراء ہند)

("تلخیص" تاریخ ادب اردو" از گارسن ڈناسی، ص ۲۹۵)

(مطبوعہ ۱۸۴۸ء)

"سید احمد بریلوی نے سکھوں کے خلاف جو جہاد کیا تھا، شاہ اسماعیل اس میں ان کے دست راست رہے۔"

(اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز لاہور، ص ۹۸)

دوسرے مقام پر ہے :

سید احمد شہید بریلوی نے لوگوں کو توحید اور ترک بدعات کی تلقین کی...
 انہی نوں پنجاب میں سکھوں کے ظلم و ستم کی رودادیں سننے میں آئیں تو آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا۔"

(اردو انسائیکلو پیڈیا، ص ۸۶۶)

ہزارہا مومن حضرت سید احمد شہید بریلوی کی غنائے جہاد پر لبیک کہتے ہوئے ان کے پرچم تلے اکٹھے ہو گئے اور ۲ دسمبر ۱۸۲۶ء کو ظالم سکھوں کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا۔ یہ جہاد پانچ سال سے زیادہ عرصہ تک جاری

۱۰۰۰۔ اس کے بعد مجاہدین میں اندرونی اختلافات رونما ہونے لگے۔

(ماہنامہ ماہ نوکراچی، تحریک پاکستان نمبر ص ۲۶، ۲۵)

مولوی شاہ اسماعیل نے اپنے غازیوں کی محنت میں پشاور کے نزدیک
ہشت نگر میں کچھ عرصہ قیام رکھا اور پھر پرچم محمدیہ اٹھا کر سکھوں کے خلاف
اعلان جنگ کر دیا۔^۷

(انیسویں صدی کا مجاہد مصلح، از ڈاکٹر محمد باقر)

(کتاب شاہ اسماعیل شہید، مرتبہ عبداللہ بیٹ، ص ۴۶)

اسی گزینڈر گارڈن لکھتا ہے:

”باہڑ میں میری آمد سے کوئی چار سال پہلے انہوں نے (سید احمد نے)
پشاور اور انک کے درمیان یوسف زئی کے پہاڑوں پر یہ غنیمت کا سبز پرچم لہرایا
اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔“

(انیسویں صدی کا مجاہد مصلح، ایسا، ص ۴۸)

”تحریک کے شہیدانہوں نے جس وقت سکھوں کے خلاف فوجی جہاد بند

کر دیا، وہ عین حالات کا تقاضا تھا، تحریک میں اتنی فوجی قوت نہیں بچی کہ
وہ انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرتے۔“

(”چند ناوکی غلطیاں از ابوالمعالی“)

(کتاب شاہ اسماعیل شہید، ص ۲۲۲)

ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر غاصب حکمرانوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہ ہوتو ان
غاصب حکمرانوں کے مخالفوں سے ٹکرا جانا چاہیے۔ اگر ہندوستان بھر پر قبضہ کی راہ میں لڑنا
کی رکاوٹ (سکھ) مدد نہ ہوتو ان غیرت مند اور جیسے سرحدی مسلمانوں کے خلاف ”جہاد“
کر دینا چاہیے جو ہر بیرونی طاقت کو ہمیشہ ناکوں سے چنے چوتے رہے ہیں کیس قسم کا جہاد ہے

مری پاتھریوں کو یہ وفا کا جھل غلط ہے
کوئی اور آڑے کرو کوئی اور چال چل کے

”مجدد میں امام محمد بن عبدالوہاب کی نامیابی نے شاہ اسماعیل کی جنت اور
جرات اور بھی بڑھادی، میدان جنگ منتخب ہوا، قرعہ خال بالا کوٹ کے نام
نکلا۔ ہندوستان بھر کے مجاہدوں جمع ہوئے، لگے۔ اپنے آباد اجداد کے
خیالات کے مطابق شاہ اسماعیل ہندوستان میں پاکستان یعنی خلافت اسلامیہ
کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔“

(مضمون ”مجدد و احیائے ملت“ از پروفیسر عبدالقیوم،

”کتاب شاہ اسماعیل شہید“ ص ۱۴۲)

یہ کیسی خلافت اسلامیہ ہے، جس کی بنیاد اسلام کے انہی دشمن نصاریٰ کی امداد سے
رکھی جاتی ہے جو نصاریٰ کے مخالفین سے جنگ کرنا سکھاتی ہے جو مسلمانوں کو فرقوں
میں تقسیم کرتی ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو دلوں سے مٹانے کے لیے
کوشاں ہے۔

چہ قیامت است جانان کہ بعاشقان نمودی

رخ ہم چو ماہ تابان، ولی ہم چو سنگ خارا

”انگریزی ڈپلومیسی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ تھا کہ حضرت شہید کے یہ سگھول
پر حملہ کرنے کی سہولتیں پیدا کیں اور پھر سکھ حکومت انگریزوں سے معاہدہ کے
باعث مجبور تھی کہ حضرت شہید کو راستہ نہ دیتی اور جب حضرت شہید کی جمعیت
ایک لاکھ سے تجاوز ہونے لگی تو آپ کی جمعیت میں قحطائے کے متعلق متعلق
پیدا ہوا کہ روایا گیا۔“ (اسلامی حریت کا علمبردار، از محمد میاں)

”کتاب شاہ اسماعیل شہید“ ص ۱۴۲)

عقائد کے متعلق اختلاف تو اسماعیل دہلوی صاحب کی ابتدا تھی۔ اس تحریک کی اساس ہی مسلمانوں کی دین اور پیغمبر دین سے محبت کو کم کرنے پر تھی، چنانچہ اسماعیل دہلوی کی "تقویۃ الایمان" کے رد میں بے شمار کتابیں فوراً لکھی گئیں۔

پھر یہ حقیقت بھی ایک بہت بڑا سوال ہے کہ ایک لاکھ کی جمعیت انگریزوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کیسے۔ ہی اور وہ اس سے صرف نظر کس مقصد کی خاطر کرتے رہے؟

محمد میاں مصطفیٰ علمائے ہند کا شاندار ماضی اپنے اسی مضمون میں لکھتے ہیں،
الحاصل انگریزی حکومت نے ہندوستان کے تمام صوبوں پر مضبوطی سے قبضہ کر لیا۔ صرف پنجاب، کشمیر، ہوابہ سرحد اور ملتان اس کے اقتدار سے خالی تھا، مگر اس پر سکھوں کے قبضے نے شمال مغربی ہندوستان اور اس کے آس پاس کے مسلمانوں کی راہ بند کر دی تھی۔ (شاہ اسماعیل شہید، ص ۱۸۵)

اور تحریک مجاہدین کا میدان کارزار پنجاب اور سرحد بنے جو انگریزوں کے مکمل ہندوستان پر کنٹرول کے راستے میں رکاوٹ تھے اور مجاہدوں کے کئی سیرت نگاروں کے بقول "کشمیر جانے کا ارادہ بھی کرتے تاکہ انگریزوں کا کوئی مخالف ایسا نہ رہ جائے، جن سے یہ جہاد نہ کر لیں۔"

"مسلمانوں کی مذہبی روایات خطرے میں تھیں، شاہ شہید اور ان کی جماعت اس بارود میں چنگاری پھینکنے کا انتظار کر رہی تھی۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور نہایت سنگھ کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔"

زاسلمی انقلاب کا علمبردار از سعید احمد ایڈیٹر "انٹرنیٹ"

(کتاب شاہ اسماعیل شہید، ص ۱۷۳)

کبھی کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں کے خلاف بھی تو جہاد کر لیا ہوتا،

"مکاتیب سید احمد کی اشاعت کا مقصد محمد جعفر خانیسری مؤلف مکتوبات

سید احمد شہید یوں بیان کرتے ہیں:

”سید صاحب کا جہاد صرف اس وقت کے ظالم سکھوں سے تھا جنہوں نے اس وقت پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رکھی تھی، نہ کہ سرکار انگریزی سے؟“
 (مکتوبات سید احمد شہید، ص ۲۱۰)
 مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

”اسمائل دہلوی نے) اس عزم کا اظہار کیا کہ سکھوں کے خلاف جو مسلمانوں کو پنجاب اور سرحد میں نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے، جہاد کی کٹھن ہمیں شاہ صاحب کے شریک رہیں گے۔ ۱۸۲۵ء میں سید صاحب اور شاہ صاحب اس فیصلہ کن جہاد کی راہ پر چل پڑے، ان کی معیت میں سات ہزار سرفروزش مسلمان تھے۔۔۔۔۔ ایسے سخت اور قوی دشمن کے مقابلہ پر جیسے سکھ تھے۔“
 (”مجدد الف ثانی سے سید احمد شہید تک از محمد علی عثمانی“)
 (ماہنامہ نوکراچی، خاص نمبر یادگار تحریک آزادی ص ۱۴)

اس میں ایک وضاحت طلب بات یہ ہے کہ یہ جہاد سکھوں کے خلاف تھا جو مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے، تو سرحد کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی خواہش میں اپنے جہاد کا رخ انہوں نے ان کے خلاف کیوں کرنا چاہا۔ دوسرا سوال وہی ہے کہ غازیوں جو سات ہزار فوج تھی، اس سے انگریزوں نے تعرض کیوں نہیں کیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حکومتیں اپنے مخالفوں کو مسلح فوج بنانے دیں انہیں سہولتیں فراہم کریں۔ خصوصاً انیسویں صدی کے آغاز میں انگریز اس فوج سے صرف نظر کر سکتے تھے (اگر یہ خود ان کے ایماء پر نہ بنائی گئی ہوتی)۔
 تو لطفِ تماشا لیتا جا، امت و حوٹھہ سراغِ اعلیت

”تصنیف کے صورتِ زمانے میں کچھ دیکھ کچھ سچائی ہے

سید صاحب خود وضاحت کرتے ہیں کہ ان کی لڑائی سکھوں کے خلاف ہے مگر آج کے محققین سے تو یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اسے سید صاحب کا خطابی تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔

یا یہ موقف اختیار کر لیں کہ انہوں نے انگریز کے ڈر سے مصلحتاً جھوٹ بولا تھا یا یہ کہ ان الفاظ میں بین السطور یہی کہا گیا ہے کہ وہ انگریز کے مخالف تھے اور اسی سے لڑنا چاہتے تھے۔

”آپ کے ذہن دو ماغ پر اس خاکسار کا معاملہ آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر ہو رہا ہے کہ میں قوم سکھ جیسے دشمنوں کے ساتھ جہاد کے لیے مامور ہوں اور فتح و نصرت کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

(مکتوب ۵۶ بنام فیض اللہ خاں مہمند مشیر و دبیر وائی پشاور)

(مکتوب سید احمد شہید، ص ۲۷۲)

وعدہ کس نے کیا تھا جو پورا نہیں ہوا خدا کا وعدہ تو نہیں ہو سکتا کہ اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور یہاں فتح و نصرت تو دور کی بات ہے، سید صاحب اور معلم صاحب کی جانب بھی گئیں کہیں یہ وعدہ انگریز حکام نے تو نہیں کیا تھا جو ظاہر ہے کہ پورا نہیں ہوا، مگر انگریز کی حکومت تو مضبوط اور مستحکم ہو گئی ہے

میں اپنی بے خبری سے شکیبائے اقف ہوں

بتاؤ تیغ ہیں کتنے تمہاری پگڑھی میں!

”امیر المومنین صاحب کا اعلان عام ملاحظہ ہو، اس کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ان پر انگریز دشمنی کی تہمت لگائی جائے۔“

اعلام از جانب امیر المومنین سید احمد صاحب میں ہے :

”نہ تو ہم کو مسلمان املا میں سے کسی کے ساتھ کوئی تنازعہ ہے اور نہ

کسی مسلمان رئیس سے مخالفت ہے ہمارا مقابلہ کفارِ اعدائے حق سے ہے نہ کہ

مدعیانِ اسلام سے، بلکہ صرف لاشعہ بال والے سکھوں سے جاری جنگ

ہے۔ مگر گویوں اہل اسلام کے طالبوں سے نہیں ہے اور نہ سکھوں انگریزوں سے

ہم کو کوئی مخالفت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں بلکہ

ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے۔

(مکتوبات سید احمد شہید مترجم سخاوت مرزا، ص ۳۲)

(مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

دیکھ لیجئے، غلام رسول قہر اور دوسرے متحدہ دین تاریخ کے "امیر المومنین"

وہ ہوتے ہیں، جو انگریز کی وناوار رعایا ہونے پر فخر کریں، اس کے مخالفوں سے لڑنے کو اپنی زندگی کا مقصد جانیں،

"ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کا حال دیکھیں۔"

"حج کے بعد پھر وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع ہو گیا، مگر اب کے اصل زور

جہاد و ہجرت پر تھا۔ ۱۰۰۰ اس وقت پنجاب سکھ شاہی کا زور تھا۔"

"ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" (ص ۳۶)

اور یہی زور ختم کرنا مقصود تھا، اسی مقصد کے حصول کے لیے آپ کو "مامور"

کیا گیا تھا،

"سید صاحب کی دعوت کا اہم عنصر جہاد فی سبیل اللہ ہے اور یہی چیز

اس تحریک خمدید و جہاد کو نجد کی دعوت توحید سے خاص طور پر ممتاز کرتی ہے

سید صاحب کا کوئی وعظ یا مکتوب ترغیب جہاد سے خالی نہیں ہوتا۔ انہوں نے

صرف وعظ پر اکتفا نہیں کیا، اور اپنے مریدوں کے ساتھ گھر بار چھوڑ کر

سرحد تشریف لے گئے۔" (ایضاً، ص ۴۰، ۳۹)

"پنجاب میں سکھوں کے ساتھ آپ نے کئی جہاد کیے، مگر بعض لوگوں

کی بے وفائی کی وجہ سے آپ اپنے پیر سید احمد شہید کے ہمراہ لڑتے

ہوئے ۱۲۴۶ھ میں بمقام بالا کوٹ زخمِ تفنگ سے شہید ہوئے۔"

("تاریخ اہل حدیث"، از محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، ص ۴۱۴)

یہ بے وفا، وہی لوگ ہیں جن کو سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی ساری عمر منافق
مشرک اور کافر قرار دیتے رہے جن کے عقائد سے توحید کو خطرہ لاحق رہا جو انگریز جیسے عادل
حکمرانوں سے ساری عمر لڑتے رہے۔ اللہ اکبر!

اگر کوئی شخص یہ سوچنا سوچے کہ شاید ان مجاہدین کی تیاریوں، ان کی فوج، ان کے نظام
حکومت کا انگریز حکام کو علم نہیں تھا، تو وہ اپنی غلط فہمی رفع کر لے۔ انگریز حکام کہنا تھا
کہ ہم نے ان پر اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ ایسے میں جب انگریز ان مجاہدوں کی نقل و
حمل سے پوری طرح واقف تھے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ انگریزوں
ہی کے ہمایہ پیکھتوں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جا رہے تھے، اور نہ حکام
کسی طرح اس کی اجازت نہ دیتے اور پھر ان مجاہدوں کو انگریزوں نے جتنی سہولتیں
راستے اور سرحد پہنچ کر بھی دی ہیں، ان کو بھی ذہن میں رکھیں، تو ہر بات واضح ہو جاتی ہے۔

”کچھ شیعہ صاحبان نے ایک فتنہ کھڑا کر دیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ
چند سربراہ آئندہ شیعہ پٹنہ کے ایک انگریز افسر کے پاس گئے اور شکایت
کی کہ سید صاحب جہاد کی نیت سے دورہ کر رہے ہیں۔ انگریز افسر نے
جواب دیا، یہ پوری صاحب جن کے متعلق یہ شیعہ حضرات الزام لگاتے
ہیں، بہت دیندار حقانی شخص ہیں، کیونکہ جاسوس ان کے حل کی تلاش میں
رہتے ہیں، ہم سے کسی نے یہ بات اب تک نہیں کی ہے۔“

(”وقائع احمدی“ قلمی نسخہ، ص ۷۹)

(بحوالہ علامہ ہند کا شاندار ماضی، جلد ۳، ص ۱۴)

اسی واقعے کو ابو الحسن علی مدنی ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں:
”عظیم آباد پٹنہ کے بعض شیعہ صاحبان نے انگریز ماکم سے جا کر کہا
کہ یہ سید صاحب جو یہاں اتنے آدمیوں کے ساتھ آئے ہیں، ہم نے سنا ہے“

کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے۔ حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تنبیہ کی کہ آئندہ ایسی مفسدانہ بات نہ کی جائے۔

(”سیرت سید احمد شہید“ حصہ اول، ص ۲۴۲)

یہ خود انگریزوں کی فرماں بردار رعایا ہونے کا اعلان کرتے ہیں، انگریزان کے خلاف کسی ایسی ہمت کو برداشت نہیں کرتا، انگریز کے جاسوس ان کی ٹوہ میں رہتے تھے کہ یہ واقعی فرماں بردار ہیں یا اس فوج کو ہمارے خلاف کبھی استعمال کرنے کی خواہش تو ان کے سر میں پیدا نہیں ہوتی اور ان جاسوسوں کی رپورٹوں سے اتنے مطمئن ہیں کہ تعصب حسد اور مفسدانہ باتوں پر ان کے مخالفوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ ایسے میں آج کے لوگ ان مجاہدین کے خلاف یہ مفسدانہ بات کس طرح کرتے ہیں۔

سید احمد بریلوی کے سب سے بڑے سوانح نگار جعفر تھانی مسرتی سکھوں پر جہاد کا دعوہ شروع ہونا کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”اس وقت ہر شہر و قصبہ و گاؤں برٹش انڈیا میں علانیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا دعوہ ہوتا تھا، مگر براہِ دوراندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رئیس اعظم الدہ آباد کے نواب لیفٹیننٹ گورنر سپہدار اصلاخ شمالی مغربی کو بھی اس تیاری جہاد سکھوں کی اطلاع دی گئی، جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو، ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔“

(”سوانح احمدی“ ص ۷۰)

یعنی انگریز افسروں کی تحریری اجازت سے یہ جہاد کیا گیا۔ پھر یہ جہاد فی سبیل اللہ ہوا یا جہاد فی سبیل انگریز؟

جس غلام علی صاحب کا اوپر کے اقتباس میں ذکر ہوا ہے، ان پر سربراہ مجاہدینؒ کو کس قدر اعتماد تھا اور وہ ان کی کتنی خدمت کرتے تھے، یہ بھی دیکھئے :

”یہ شیخ غلام علی وہ ہیں جنہوں نے پورے بارہ روز تک قافے کی پخت ضیافت کی، بیش قیمت نذیر گزرائی اور بیٹوں، پوتوں اور مستورات اور اپنے علمے اور ملازمین کے ساتھ بیعت ہوئے۔“

(سیرت سید احمد شہید، حصہ اول)

(از ابوالحسن علی ندوی، ص ۲۲۲)

آپ نذر و نیاز کے ان مخالفین کے اس پہلو کی طرف توجہ نہ دیجئے۔ صرف سیاست کا حال دیکھئے۔

یہ بات صرف تھانیسری صاحب ہی نے نہیں کی۔ شیخ محمد اکرام نے اپنی تصنیف ”موج کوثر“ کے صفحہ ۱۸ پر یہی واقعہ نقل کیا ہے اور علماء ہند کا شاندار ماضی جلد سوم ص ۶۷ پر یہی واقعہ نقل کرنے کے بعد سید محمد میاں لکھتے ہیں :

”بہر حال انگریزوں نے اس وقت سید صاحب کے اس علانیہ جہاد

اور اس کی تیار ہی پر کوئی رکاوٹ نہیں کی۔“

سر سید احمد خاں بھی انگریزوں کے ساتھ سید احمد و اسماعیل کے رابطہ اور تعلق

کی بات اسی لئے میں دہراتے ہیں اور سر سید احمد کی اس بات کو طفیل احمد منگلوری بھی اپنی کتاب ”مسلمانوں کا روشن مستقبل“ میں نقل کرتے ہیں :

”اس زمانے میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی

ہدایت کرتے تھے، ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ

سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے جمع ہو گیا تھا۔ جب صاحب کشن اور

صاحب مجبٹریٹ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دیا

گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہ کرنی چاہیے۔ دہلی کے ایک
مہاجرین نے جہاد یوں کا رویہ نہیں کیا، تو ولیم فریئر کشنز دہلی نے ڈگری 'ی'
جو وصول ہو کر سرحد بھیجی گئی۔“

(مضمون سر سید احمد خاں، بحوالہ ڈاکٹر منٹر)

(مندرجہ انسٹی ٹیوٹ گورنمنٹ، ۱۸ دسمبر ۱۸۷۱ء)

(بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۱۲)

حکومت کو معلوم تھا کہ ان لوگوں کس خدمت پر مامور کیا گیا ہے، اس لیے انہیں کسی
تفتیش یا تحقیق کی ضرورت نہیں تھی، بس کشنز اور مجسٹریٹ کو حکم دے دیا گیا کہ سامان جنگ اور
جہاد کے بارے میں ان مجاہدوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ اگر غلام رسول مہاجرین ہوں کہ
انگریزوں اور مجاہدوں کی ملی جھگٹ کی خبریں لوگوں تک کیسے پہنچ گئی ہیں، یہ تو راز ہائے
درون خانہ تھے۔

سبز خدا کہ عارف و سالک یکس نہ گفت

در حیرت کہ بادہ فروش از کجاشنید

تواصل میں وہ اس حقیقت کو پیش نظر نہیں رکھ رہے کہ عشق و محبت کی باتیں کرنے والے
اس خوش گمانی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر یہ سب کچھ کر رہے
ہیں، مگر سہ

کھلنا کہیں چھپا بھی ہے چاہت کے پھول کا

لی گھر میں سانس اور گلی تک مہک گئی

آپ کے افعال و اعمال بلکہ حرکات و سکنات آپ کی اس آلودگی کی گواہی دیتے ہیں

آپ کی آنکھیں اور کبھی کبھی آپ کی زبان بھی اس راز کو طشت از بام کر دیتے ہیں۔

رُسوائی کے دُرسے کوئی راز محبت چھپتا ہے
آہیں دکیں آنسو روکے رنگ لگاڑ جائے تو

انگریز سرکار اس تحریک مجاہدین سے کیا چاہتی تھی، (جو انہوں نے بڑی حد تک پورا کر دکھایا) ملاحظہ فرمائیے :

”اس سوانح اور نیز مکتوباتِ مشککہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کامرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا، وہ اس آزاد علمدار کو اپنی ہی عمل داری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت تک سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی، مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سید صاحبوں کا زور کم ہو۔“ (سوانح احمدی، ص ۱۳۹)

ایک اور تحقیق توڑ اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ مفتی جعفر تنہا فیسری اور طفیل سنگھ صاحبان انگریزوں اور مجاہدوں کے لازم و ملزوم ہونے کا اعلان کرتے ہیں :

”جب تک اس تحریک کا تعلق انگریزی مقبوضات سے صرف اتنا رہا کہ رنڈروٹ بھرتی کیے جائیں اور سرمایہ فراہم کیا جائے تو انگریزی حکومت کے ذمہ داروں نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا، بلکہ انگریزوں نے اس کی حمایت کی، چنانچہ سید صاحب کے قافلہ کی دعوت کرنے والوں میں جہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کے نام ہیں، وہاں ایک انگریز کا نام بھی ہے جس نے پورے قافلہ کے لیے کشتیوں پر کھانا پہنچایا تھا، جب حج کو جاتے ہوئے قافلہ قصبہ ولسر سے الہ آباد کی طرف گنٹکا کے راستے سفر کر رہا تھا، مگر کشتی میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کے وعظ میں جہاں ہندو مسلمانوں کا اجتماع ہوتا تھا، صاحبان اور ان کی میم صاحبان بھی شریک

ہوتی تھی۔ ” (سوانح احمدی، ص ۸۹)

(بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماحول، جلد ۲، ص ۲۴۱)

اگر جعفر صاحب پسند نہ ہوں تو مولوی عبدالرحیم صادق پوری سے حقیقت حال کے متعلق استفسار کر لیجئے

تمہارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
” منافقین، ناجار اور کفار بد کردار نے حسد اور خوف سے حکومتِ بڑانیہ کے عمال کو برا ٹیختہ کر دیا تاہم بنصرۃ اللہ العزیزہ جانبِ وفاداری سے سید احمد صاحب کی برابر روش یہ رہی کہ ایک طرف لوگوں کو سختیوں کے مقابلہ آمادہ بجا کرتے اور دوسری جانب حکومتِ برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلہ سے روکتے تھے۔“

(آلذکر المنثور از مولوی عبدالرحیم صادق پوری، ص ۱۳۵)

(بحوالہ مقالاتِ سرمد، حصہ شانزدہم، ص ۲۵۲)

اور ایک دفعہ پھر مولوی اسماعیل صاحب کی بڑائی کے پرچارک مرزا حیرت

کو سینے اور سر دھینچے،

ضلع کے حکام چوکے ہوئے اور انہیں خوف معلوم ہوا کہ کہیں ہماری سلطنت میں رخنہ نہ پڑے۔ اس نظر سے ضلع کے حکام نے حکامِ اعلیٰ کو لکھا۔ وہاں سے صاف جواب آگیا۔ ان سے ہرگز مزاحمت نہ کرو۔ ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ یہ سختیوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ (حیاتِ طیبہ، ص ۵۲۲)

”سیاسی مصلحتوں کی بنا پر سید صاحب نے یہ اعلان کیا کہ اگر بری سے ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہمیں اس سے کچھ مفاہمت ہے ہم صرف سختیوں

سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ بالکل
باخبر نہ ہوتے اور نہ ان کی تیاری میں مانع آئے۔“

(”حیاتِ طینیہ“ ص ۲۹)

ان لوگوں نے صرف فوج ہی اکٹھی نہیں کی تھی، باقاعدہ ایک حکومت قائم کر رکھی تھی۔
”انہوں نے اپنے جاں نثار مریدوں کی ہمراہی میں ہمارے صوبہ جات
کا دورہ کیا اور بزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مرید بنایا اور ایک باقاعدہ گدی
نذیبی ٹیکس اور ملکی حکومت قائم کر دی۔“

(”بندوستانی مسلمان اور ولیم ہنٹر“)

(مترجم ڈاکٹر صادق حسین ص ۶۸)

”جملہ مسلمان جو اس جنگ میں موجود تھے، ان کی جمعیت ایک لاکھ
آدمی سے کم نہ تھی۔ ہتھیار اور سپاہی بھی سکتوں کے ہتھیار اور سپاہیوں کے
برابر ہی تھے، ان سے بڑے نہ تھے، مگر بٹھانوں کی دغا بازی نے قوم کا
ستیاماس کر دیا۔“ (”الحیات بعد الممات“ ص ۲۰۳)

”وہ دہلی سے آہستہ آہستہ نکلنے کی طرف روانہ ہوئے، پٹنہ میں
کافی بے قیام رہا اور اس دوران میں تحریک کو ایک باقاعدہ حکومت کے
موسسے پر منظم کیا گیا۔ یہی طور پر ملک کے پانچ حصوں کے لیے چار فیڈینوں اور
ایک امام کا تقرر کیا گیا اور ہر ضلع میں ایک ایک گماشتہ مقرر کیا تاکہ وہ
مستقل افسروں کے ساتھ لوگوں سے ٹیکس وصول کرنے کا بندوبست کرتے
اسلامی ہند کا مغربی تہذیب کے خلاف ردِ عمل“

(از ڈاکٹر تصدق حسین خاں)

(کتاب ”شاہ اسماعیل شہید“ ص ۹۴)

آزادیہ لوگ کس کس کو جھوٹا قرار دے کر اپنی جان چھڑائیں گے۔ انتظام اللہ شہابی
بھی انگریزوں کی مراعات کو تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل اور ان کے پیرو مولوی سید احمد بریلوی نے دیکھا کہ سکھ جو
مظالم مسلمان پنجاب میں توڑ رہے ہیں مگر اکبر شاہ ثانی اور نواب اودھ ٹکڑے کر دیکھ
رہے ہیں، انہیں اپنی حسرت اور غیاشی سے فرصت نہیں۔ ہر وہ علمائے حق سرِ حجت
خدا پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب فکر اسلام تیار ہو گیا
۱۸۴۲ء میں روانگی عمل میں آئی۔ سید شہید نے حزب سے پنجاب پر حملہ نہیں کیا
کہ انگریزی تسلط یہاں تھا اور انگریزوں سے بھڑانا بھی مقصود نہ تھا۔ اودھ لگے
بھی مزارحم نہ تھے، بلکہ اخلاقی ایک گوند مراعات ردارکھ رہے تھے۔
(علمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں)

(از مفتی انتظام اللہ شہابی)

اب ایک اور مسئلہ بھی حل ہوتا نظر آتا ہے کہ سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے
سرحد لوگوں کو چنا گیا، اس لیے کہ انگریزی حکومت سکھوں سے معاہدہ کر چکی تھی اور اس معاہدے
کا مجاہدین کو بہر حال پاس کرنا تھا۔ انگریز سکھوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر اپنی سرحد سے نہیں
کیونکہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی۔

”یہ صاحب نے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے سرحد کی سنگلاخ
سرزمین کو اس لیے ترجیح دی تھی کہ یہ علاقہ مجاہدین کے لیے نسبتاً محفوظ تھا
دوسرے یہاں کہ باشندوں کی حیرت ملی مسلم تھی اور سب سے بڑھ کر کہ
انگریزی حکومت سکھوں سے معاہدہ کر چکی تھی، جس کے باعث انگریزی
سرحد سے سکھ سلطنت پر حملہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔“

(”شہدائے بالاکھٹ“ از محمد عارف)

(زاہد کراچی خاص نمبر بیادگار تحریک آزادی، ص ۳۰)

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو :

”مسلمانان سرمد و پنجاب پر سکھوں نے اپنے زمانہء درج میں جو مظالم کیے تھے ان سے فتنہ برپا ہو کر مولانا ستیا احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ مولوی محمد منیل نے ۱۸۲۴ء میں جو سلسلہ جہاد شروع کیا تھا، وہ ۱۸۴۷ء تک جاری تھا تا آنکہ انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا۔“

(۲۰) انیسویں صدی کا افسانہ ”تباہی“ از محمد امین زبیری،

(ماہ نو، کراچی، خاص نمبر) یادگار تحریک آزادی ص ۲۵

سکھوں سے ان کی لڑائی اس لیے تھی کہ یہ علاقہ انگریزی سلطنت میں شامل ہو جائے جب یہ ہو گیا تو ان کا کام ختم ہو گیا، اس سب کچھ کے بعد اگر پروفیسر محمد ایوب قادری کہیں کہ سکھوں کے علاقے پر انگریز کا تسلط قائم کروانے کے بعد یہ مجاہد انگریزوں سے لڑنا چاہتے تھے تو آپ کیا کہیں گے، مجھے علم نہیں، مگر میں کہتا ہوں ۔

فطری کہیں ہیں، ہاتھ کہیں، سوچ کے

اس بے توجہی سے تو پتھر نہ مار سیتے

”ظاہر ہے کہ پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آ جانے کے بعد مجاہدین کا

مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا۔“

(مقتدرہ حیات سید احمد شہید)

(از پروفیسر محمد ایوب قادری، ص ۲۴)

کہاں سے ظاہر ہے؟ کس بات سے ظاہر ہے، سید احمد خود کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کے خلاف بے دام ہیں، ان کے متبعین ساتھی، ان کے ابو بکر و عمر (نعموز باللہ) دہائی لیتے ہیں کہ ہمارا انگریزوں سے کوئی جھگڑا نہیں، سرمد کے مسلمان ان کو ان تمام حالات کی بناء پر انگریز کا جاسوس سمجھتے ہیں اور اسی یقین کے باعث مار ڈالتے ہیں، وہ انگریزوں کا مال کھاتے

پاکستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی جناب آزادی ۱۸۵۷ء کے سولے سے بت کرتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے انگریزوں نے مرہٹوں اور پٹیلطان کی طاقت ختم کی۔ پھر سکھوں کا زور توڑا اور آخر میں مغل شاہنشاہیت پر ضرب کاری لگادی اور ظاہر ہے کہ سکھوں کا زور توڑنے کا کام انہوں نے اپنے معتمدین خاص سید احمد بریلوی اور اسماعیل صاحبان سے لیا۔

”جنوب میں مرہٹوں اور پٹیلطان کی طاقت فنا ہو چکی تھی اور شمال میں سکھوں کا زور توڑا جا چکا تھا، لے دے کے یہ مغل شاہنشاہیت کا ٹٹمنا سہا چارغ باقی تھا جس کی موجودگی برطانوی اقتدار کی آنکھ میں کاشا بن کر کھٹک رہی تھی۔“

(”بہادر شاہ ظفر کا روزنامہ“، از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی)

(کتاب ”۱۸۵۷ء کوکالت و صحافت“ ص ۵۵)

اب ذرا اس طرف بھی توجہ دیجئے کہ اسماعیل دہلوی صاحب نے مسلمانوں کو کافر و کفر قرار دینے کا کارنامہ کس بیسے انجام دیا اور پھر ان لوگوں نے بقول ان کے ”منافق مسلمانوں“ کے خلاف ”جہاد“ کیوں کیا صرف اس بیسے کہ انگریز مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھنا چاہتے تھے۔ سر جان میلکم نے لکھا،

”ہماری حکومت کی حفاظت اس پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں، ان کو تقسیم کر کے ہر جماعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تاکہ وہ مبار ہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کر سکیں۔“

(مضمون ”برصغیر کے اسلامی مدارس“)

(از شمس الحق افغانی)

(ماہنامہ ”المبلاغ“ کراچی، فروری ۱۹۹۹ء)

میں۔ انگریز انہیں بندیاں پہنچا۔ تھے ہیں۔ ان کے ہائی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں وہ انگریز
 کے حریف سکھوں سے جنگ لڑتے ہیں۔ وہ ان مسلمانوں کے خلاف جہاد کرتے ہیں جن سے
 انگریز کو خطرہ تھا، جن کے بارے میں انگریز کو یقین تھا کہ ان میں عشق رسول کا جذبہ موجود
 ہے۔ یہ دینی معتقدات کے سختی سے پابند ہیں۔ رسول کو اپنے جیسا بشر نہیں سمجھتے، پھر
 یہ کہاں سے ظاہر ہوا کہ مستقبل قریب میں مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریز سے تھا۔

ع۔ تشنہ کاموں کو سراہوں گا چکا چونکہ وہ
 ایک اور آواز سماعت فرمائیے۔

”علاقہ سرحد میں مولانا مولوی سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید
 نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکادی تھی جو بچھنے میں نہ آئی۔“

ڈایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء

(از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۱۰)

کہیں سے کوئی ایک دلیل! کوئی ثبوت! کوئی اشارہ! بھیجی۔ انگریزوں کے خلاف
 آگ آفر بجڑک کیسے اٹھی؟ پرہنگاری آپ کے ذہن میں کیسے بھر لی جس سے نہ بچنے والی
 آگ پیدا ہوئی ہے، کچھ ہمیں بھی تو بتائیے۔ یا ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ مفتی
 کہلاتے ہیں، فتویٰ دے رہے ہیں، سبحان اللہ!۔

بگو حدیث، وفا، از تو باور است بگو!

شوم فدا لئے درد غم کہ راست ماند است



مُرحد کے مسلمانوں

کے خلاف

جہاد

خانہٴ ملاح در چین است و کشتی در فرنگ

کچھ لوگ انگریزوں کے خلاف کوئی بات کرنا خلاف مصلحت سمجھتے رہے۔ ان سے اراوت اور ان کی اطاعت پر افتخار و اجتہاد ظاہر کرتے رہے۔ ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتے رہے۔ یہ حضرات جب بالاکوٹ پہنچے، جہاں پہنچنے کے لیے انہوں نے 'قرص خال' نکالا تھا، تو موت نے ان کا استقبال کیا۔

ان لوگوں نے بچنے بچتے مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دیا۔ ان کو مفسد اور منافق کہہ کر اپنی ساری علمیت ان کے قتل کا جواز پیدا کرنے کے لیے انہیں مرتد ثابت کرنے اور ان کے اموال اور جائیدادوں کو مالِ فینمت قرار دینے پر صرف کر دی۔

سید احمد اور اسماعیل و ملوی صاحبان ان غیر دہائی مسلمانوں کو اہل کتاب گافروں میں شمار کرتے ہیں، مگر نصاریٰ بھی تو اہل کتاب ہیں، جن سے ان کے مراسم برخورداری قائم ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ صاحبانِ بستی و کشادہ تھے۔ یہ لوگ انگریزوں سے جنگ کے تصور کی مخالفت کرتے رہے، مگر اہل سنت و جماعت مسلمانوں کے قتل و خون کے جواز کی صورتیں نکالتے رہے،

’میں ہاں دو معاملے درپیش ہیں، ایک تو مفسدوں اور منافقوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز

قرار دینا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا آیا کوئی مدبب ہے یا کچھ اور ہے جبکہ بعض اشخاص کے مقابلے میں ان کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی اور مدبب ہے اگرچہ پہلے طریقہ ہمارے پاس یہی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے، کیونکہ ہم ان فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں، بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں اور ان کو اہل کتاب کافروں کے مثل جانتے ہیں۔
(مکتوب مولوی محمد اسماعیل بنام سید احمد)

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۴۱)

انگریزوں کی مخالف طاقت جاننا سرحدی مسلمان تھے، ان کو بدکردار مانتی کہہ کر "مٹھریک مجاہدین" کے سربراہوں نے ان کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور اس مقصد کے لیے ان پر چڑھائی کی، خدا نے ان کو اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ کج کے وانشور ان کی سکھتوں کے ساتھ لڑائیوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کی فداوری کا دہاتے ہیں۔ لیکن اصل رکبتے ہیں کہ ان مجاہدوں کی کوئی لڑائی مسلمانوں سے نہیں ہوئی۔ سب سکھتوں ہی سے ہوئی ہیں، سید احمد بریلوی صاحب خود مسلمانوں کو مرتد ثابت کرنے، ان کے خلاف فونریزی کا جواز پیدا کرنے اور ان کا مال، جسم کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اس گندگی کو پاک کرنے کے ارادے رکھتے ہیں۔ ان اقوال و ارشادات کو کوئی کہاں تک چھپا سکتا ہے،

اور منافقین کے ساتھ جہاد کا بحکم مقدمہ الوداجب ایک واجب معلوم ہے

اس لیے خاکسار سچے مسلمانوں کے ساتھ شہر، بازار اور قرب و جوار سے بدکردار منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجتار تک پہنچ گیا ہے۔

(مکتوب بنام سردار میر عالم خاں باجوڑی)

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۱۲۵)

منشی محمد حسین محمود رئیس قصبہ بٹور ضلع بجنور کی کتاب "فردوسِ مسلمین" مطبع ریاض بندہ لکھنؤ میں چھپی تھی، اس کا ایک نسخہ لاہور کی ایک لائبریری میں موجود ہے۔ اس میں معتمد نے سید احمد بریلوی کے اعلان تکفیر کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ پنجاب کے امیر اور علماء ان کی ان حرکتوں سے سخت ناراض ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ جعلی پریز ہیں اور اصلی دہانی، اس لیے ان سے بیعت روا نہیں ہے :

"جب کوئی امیر مسلمان اور عالم پنجاب کا ان کی طرف متوجہ نہ ہوا، جب انہوں نے ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا۔ اس فتویٰ تکفیر کے اجراء سے تمام ملک پنجاب کے امیر اور علماء ناراض ہو گئے اور جواب لکھے کہ تم دہانی مذہب ہو، تم سے بیعت کرنا روا نہیں۔" (فردوسِ مسلمین، ص ۹۸)

دہانی خود مانتے ہیں کہ پنجاب والے خصوصاً ان کے معتقدات سے نفرت کرتے تھے اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے ایسے ہی عقیدوں کو رواج دیا تھا، جن سے اسلامیوں میں چھوٹ پڑے اور انگریزی حکومت مضبوط ہو، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کم ہو، اور مسلمان کمزور ہوں گے۔

سربراہی فتنہ زبانتیست کہ من می دانم
ان معتقدات کے مخالفوں کے خلاف انہوں نے فوج کشی کی اور انہیں کیفرِ کربار تک پہنچانے کی سعی کی، انگریزوں نے شاید اس مقصد کی تکمیل کے لیے بھی اپنے مقبوضہ علاقے میں شورش کو متاثر نہیں سمجھا اور انہیں سرحد جاتے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اس تحریک کو دوسرے فائدے کے لیے جنم دیا کہ ایک تو سکھ جوائنٹرز کے لیے مصیبت ہوں گے اور دوسرے مسلمان اس سازش کے نتیجے کے طور پر اس قابل نہ رہیں کہ کبھی انگریزوں کے مقابلے میں کھڑے ہو سکیں، خصوصاً سرحد کے مسلمان جو ہمیشہ انگریزوں کو پریشان کرتے رہنے کی صلاحیتوں اور اہلیتوں سے مالا مال تھے۔

”دوبلی ایک فرقہ ایسے اشخاص کا ہے کہ وہ اس طریقہ اسلام سے عموماً
پنجاب میں رائج ہے، اتفاقاً کی نہیں کرتے۔“

(ترجمانِ دہلیہ، ص ۴۶)

دہلیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی دستبرد سے کوئی بزرگ نہیں بچا، جن لوگوں نے
صاحبِ کبریٰ، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عزت و تکریم اور عقیدت و تعظیم کے
خلاف شرفِ خانی کی ہوا، ان کے نزدیک بزرگانِ دین کیا اہمیت رکھتے ہیں۔

”جب اختلاف مذہبی میں بحث شروع کی، تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ
سے لے کر جس قدر امام اور اولیاء اللہ خاندانِ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور
سہروردیہ وغیرہ میں گئے ہیں، ان کو ملحد اور مشرک اور بدعتی آئین بالجبر کی طرح
پکاکر کر کہا شروع کر دیا۔“ (فریادِ مسلمین، ص ۱۱۳)

”تاریخِ تناویلیاں“ سید مراد علی گڑھی (مثنوی مرحوم) کی درہند ضلع ہزارہ کی تصنیف
ہے اور مجاہدین کی جنگ کے بارے میں لائقِ اعتماد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں
بتایا گیا ہے کہ سردار پانڈو خاں کے خلاف سید احمد اور اسماعیل صاحبان نے بیعت نہ کرنے
اور انہیں خلیفہ تسلیم نہ کرنے کی بنا پر فتویٰ کفر دیا اور اس کے خلاف جہادِ گیلہ یہاں علامہ
فضل حق خیر آبادی سے ان حضرات کا تقابل کریں تو عجیب صورت حال سامنے آتی ہے۔
فضل حق خیر آبادی انگریز فاضلوں کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور اسماعیل و سید احمد صاحبان
مثنوی مسلمانوں کے خلاف۔

بہیں تباہی و تاراج، از کجاست تا بہ کجا

”تاریخِ تناویلیاں“ کے تعارف میں محمد عبدالقیوم جلوالی (تناولی) لکھتے ہیں:
”اس کتاب کے مطالعے سے جہاں تناولی قوم کے مجاہدانہ کائناتوں اور
اسلام کے لیے جاں نثاری اور قربانی کے حیرت انگیز واقعات کا علم ہوگا وہاں

بیت سے راز ہائے سر بستہ کا انکشاف ہوگا، جن کو چھپانے کے لیے بہت سے لوگوں نے دیانت کو قربان کر دیا۔ تناؤلی قوم کے عظیم فرزند سردار پانڈہ خاں نے ہری سنگھ اور دیوان سنگھ کو بے درپے شکست دے کر رنجیت سنگھ کو لرزہ برانعام کر دیا تھا۔

۱۸۳۰ء میں سید احمد بریلوی اور محمد اسماعیل دہلوی نے پشاور واران اور سوات کی مسلم آبادی کو بڑے شمشیر مخموم ہاکر سردار پانڈہ خاں کو پیغام بھیجوائے اور خود مل کر بھی بیعت کی دعوت دی۔ جب وہ بیعت پر تیار نہ ہوا تو سید صاحب نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر پڑھائی کر دی، چونکہ سردار مذکور کی تمام تر توجہ سکھوں کی طرف تھی اور وہ ذہنی طور پر اس نئی جنگ کے لیے تیار نہ تھا، اس لیے اسے شکست کھا کر علاقہ خالی کرنا پڑا۔ اس نے شکست کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ صفت بندی کی اور میٹیاں خمال رکھ کر سکھوں سے مدد کرے کر سید صاحب کے لشکر پر حملہ کر دیا اور انہیں علاقہ چھوڑ کر بالا کوٹ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا۔

(تعارف، تاریخ تٹناولیاں)

(از محمد عبدالقیوم معلول (تناؤلی، ص ۲)

کتاب کے مصنف اس جنگ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”جنگ خلیفہ سید احمد بریلوی ملقب بہ سید بادشاہ دہلوی

محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پانڈہ خاں

راویان معتبرہ چشم دیدہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۸۳۰ء میں خلیفہ سید احمد

سرگودہ دہلیاں نے یار محمد خاں حاکم پشاور کو باٹ برادر دوست محمد خاں اتی

کابل کو بہشت گرمی شکر غازیان شکست دی اور ملک پشاور کو باٹ پر

قبضہ کے اپنے تھانہ جات مقرر کیے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا....
 سردار پائندہ خاں نے خلیفہ کی بیعت نہ کی، لہذا خلیفہ جانب پائندہ خاں سے
 بدگمان تھا۔ آخر یہ نظر مصلحت خلیفہ موصوف مع مولوی اسماعیل مقام موضع
 عشراہ پائندہ خاں سے ملاقاتی ہوا اور وقت ملاقات خلیفہ نے کمال چرب بانی
 و شیریں میانی سے قصہ بیعت کا چھیڑا، مگر سردار موصوف نے سولے بیت لعل
 جواب صاف نہ دیا.... القصہ پھر تو خلیفہ نے نسبت پائندہ خاں فتویٰ
 کفر کا دے کر مع مولوی محمد اسماعیل و لشکر غازیان برہمپور سرحد خان مدد خاں
 عزم جنگ پائندہ خاں پر مستعد ہوا۔

(تاریخ تٹا دلیاں از سید مراد علی، علی گڑھ)

(مطبوعہ مکتبہ قادریہ اندرون لوہاری واڑہ لاہور)

ان مجاہدوں کی نبوت کا دعویٰ تو تشنہ تکمیل ہی رہ گیا تھا، امامت ہی سے کام
 لینا پڑا۔ غلام رسول مہر امامت کے معکوں کو اسماعیل و طہوی کے واجب القتل اور باغی
 قرار دینے کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مسلمان کے خون کو جو اطاعت خدا و رسول کرے، مگر
 اطاعت سید احمد نہ کرے، کفار کے خون کے مانند قرار دیا جاتا ہے اور اعتراض کرنے والوں
 کا جواب بھی "جہاد بنایا جاتا ہے۔ جہاد نہ ہوا، امرت دھارا ہو گیا کہ ان پر تبرکات کا ملو
 اسی کے ذریعے سوگاسے

بیکے دواست بدارا الشفا سے میکدہ ہا

بہر مرض کہ بنالہ کسے، شراب و ہند

امامت کا کام پورا ہو گیا، تو شاہ صاحب نے منکرین امامت کو باغی

اور واجب القتل قرار دیا۔

”آپ (سید احمد) کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی جو آپ کی
امامت کو سرے سے تسلیم نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کر دے، وہ باغی و فاسق
الذم ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح خدا کی عین مرضی ہے.....
معتز نہیں کے اعتراضات کا جواب تنویر ہے نہ کہ تحریر و تقریر۔“

(”سیرت سید احمد شہید“ ص ۴۸۵)

یہ فلسفہ جہاد اور نکتہ امامت انگریز کی خوشنودی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ دین
کی سرزندگی اور ملت کی سرفرازی کے لیے نہیں۔

کار ز لب تست مشک افشانی اما عشقان
مصلحت را چہتے بر آہوئے چہیں بستہ اند

ان مجاہدین کی شریعت انگریز کی خوشنودی سے عبارت تھی، لیکن ظاہر ہے کہ انگریز حکمرانوں
کے لیے سب کچھ کرنے سوئے اگر اپنے لیے بھی کچھ کر لیتے، تو کیا حرج تھا، چنانچہ انہوں نے سرحدوں
کی لڑکیوں کے نکاح اپنے ساتھ ضروری قرار دیئے اور اس پر بطریق احسن عمل درآمد شروع کر دیا
مگر بعض لوگوں نے اس زبردستی کو پسند نہ کیا اور لڑائی ہوئی صحابہ شریعت و اعیانہ بالندہ
مارے گئے۔

ڈالی فدا ہوئی پہ تو بے موج، بے خروش

رکھا قدم تو گردش گرواب سامنے

یہ ہے ان لوگوں کے سارے جہاد کی تلخیص۔

”خلیفہ صاحب نے شرعی حکومت کے زور سے ان (جرگہ یوسف زئی)
کی لڑکیوں کا نکاح حکماً کرانا چاہا، بلکہ دس بیس لڑکیوں کے نکاح مجاہدین بھڑ
سے کرا دیئے اور خود بھی رضامندی سردار ان جرگہ اپنے دونوں نکاح کیلئے مگر وہ
جرگہ زبردست، ان سے سرکش ہو گیا اور بہت مدت تک ان بر جہاد متار ہوا“

بہت کچھ جہادِ قتال کی نوست پہنچی، مگر وہ ان سے مغلوب نہ ہوا ایک دھڑ
 بہت سے ملکی جمع کر کے مولوی محمد اسماعیل صاحب خود ان کے مقابلے کو گئے
 لڑائی شروع ہوتے ہی مولوی صاحب کی پیشانی پر گولی لگی، شہید ہو گئے۔
 ”کارِ ما آخر شد، آخر زما کار سے نہ شد“

(فریادِ مسلمین، ص ۱۰۲)

”فریادِ مسلمین“ کا مصنف ہر حال سنی مسلمان ہے اور ظاہر ہے کہ جھوٹ بولنا
 اہل سنت کا کام نہیں ہے، لیکن اگر جھوٹ کے خور اس بات کو نہ مانے کا ذرا سارا ذہنی
 ظاہر کریں، تو میں عرض کروں گا کہ یہی حقیقت اسماعیل دہلوی کے عاشقِ زار مرزا اجیت دہلوی
 کے قلم سے بھی نکل گئی ہے، ملاحظہ کیجئے:

”ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی تھی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب
 زور سے رہے ہی نہیں، ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو
 حوالہ مجاہد کرتے تھے، اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔“

(حیاتِ طیبہ، ص ۲۵۶)

زبردستی شادیاں رچانے کے جہاد میں مصروف ہوئے تو مجاہدین کو نہ تقویۃ الایمان
 کی تبلیغ یاد رہی نہ جہاد کے مقصد اصلی کو کوئی رنگ پہنچی، نہ کوئی ”اہام“ پردہ احساس پر غفلت
 پیدا نہ فتح و نصرت کی بشارتیں، ان کا کچھ بگاڑ سکے۔

خمارِ مادہ و توبہ و دلِ ساقی

بیکِ مہتممِ مینا شکست و سبت و کشاد

ان ظالمانہ واقعات کے پس منظر میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی کا ذہن

کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوف سے بے نیاز نہ ہو گئے
 کے متعلق صاف لکھ گئے،

”اگر اس کے خوشنوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے، تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرادیوے۔“ (صلوٰۃ المستقیم ص ۱۷، در طبع مطبع احمدی، لاہور)

جو شریف آدمی اپنی بیٹیاں جبراً ان کے نکاح میں دینے سے انکار کرنے تھے اور صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ ان منافقوں اور فساد یوں کے خلاف پیدا حمد صاحب کو بقولِ خود غیب سے مامور کیا گیا، ان کی گوشمالی کے لیے انہوں نے جہاد کو ضروری قرار دیا۔

اہل حدیث کے بہت بڑے رہنما اور ادیب مولوی محمد علی قصوری ایم اے کیمینٹ نے اپنی کتاب مشاہداتِ کابل و یاغستان شائع کردہ انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی (سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۷) میں جماعت مجاہدین کی جو اخلاقی حالت بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

نحشیت اول چوں نہ بد معمار کج

تاثریامی رود، دیوارِ کج

”جماعت کے امیر نعمت اللہ عورتوں کے بے حد شوقین تھے، تین تو اُن کی نکاحاً بیویاں تھیں اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے، امیر حبیب اللہ خاں کی طرح، امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انہی نوجوان لڑکیوں سے ہوا و لعب میں گزرتا تھا۔۔۔۔۔ (ص ۱۰)

کسی شخص کو بیت المال کے متعلق امیر صاحب سے سوال کرنے کا حق نہ تھا۔ میں نے سنا کہ بعض گستانوں نے بیت المال کے متعلق سوال کرنے کی جرات کی، مگر اس کا جواب یہ ملا کہ رات کو چپکے سے امیر صاحب کے معتمد نہیں گزرتے تھے اور پھر اس کا ذکر بھی کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔۔۔۔۔ (ص ۱۰۹)

”امیر صاحب کی خادماؤں میں کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اس کے بچے کو پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا بُد کر دینا امیر صاحب کی عادت تھی کہ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔۔۔۔۔ (ص ۱۱۱)

”رحمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدچلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اگر میر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت سے معطل کر رکھا تھا، تو نہیں نوجوان لڑکوں کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا۔“ (ص ۱۱۰)

”امیر نعمت اللہ کی اہلہ و عیالہ میں سے سب سے بڑا لڑکا برکت اللہ تھا جو غالباً اس وقت نو سال کا تھا۔ لڑکا خاصاً خوبصورت اور بگڑا سوا صاحبزادہ تھا۔ ہر وقت دو تین ادبائش نوجوان اس کی مصاحبت میں رہتے اس لیے اس کا آوارہ ہونا لا بدی تھا۔“ (ص ۱۱۰)

(”مشاہدات کا مل ویاغستان“)

(از مولوی محمد علی قصوری ایم اے کیبنٹ، ص ۱۱۱)

خاص قسم کے اہل قلم کہتے ہیں کہ یہ لوگ سکھوں سے لڑنے آئے تھے۔ جب کوئی ان سے پوچھے کہ سکھوں سے جنگ کرنی تھی تو پنجاب جاتے مسجد میں کیا لینے آئے تھے تو فرماتے ہیں کہ اس مضبوط قلعے سے سدا ہی دنیا ہی فتح کی جاسکتی تھی۔ بالاکوٹ ایسی ہی جگہ ہے مگر اس کے خود ستیا احمد صاحب نے مل کر دیا ہے۔ شاہزادہ کامران کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ پہلے جہاد ان مسلمانوں کے خلاف کیا جائے گا اور یہاں سے فراغت کے بعد پنجاب کے سکھوں سے بات ہوگی، دیکھ لیجئے:

”اس عاجز کو جہاد کے اجراء اور کفر و فساد کے ازالے کے لیے غیب سے مامور کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ چونکہ منافقوں اور فساد پر پا کرنے والوں نے سرکش گغار کی حمایت پر کم باندھ لی ہے اور مجاہدین سے دشمنی برپا ہے میں اس لیے ان کی گوشمالی اور کفر و فساد کے خلاف جہاد کی مہم کا چلنا ضروری ہے۔ اسی بنا پر میں تمام مجاہدین کو منافقین کو گرفتار کر وار تک پہنچانے کی ترغیب دی ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد یہ عاجز اپنے بھتیجے، مخلص مجاہدین کے ساتھ لاہور کی طرف کفر اور

سرکشی کے ازالے کے لیے روانہ ہو جانے لگا، کیونکہ اصل مقصد پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنا ہے۔ (مکتوبات سید احمد شہید، ص ۵۶، ۵۷)
 اور یہ بات ایک جگہ نہیں کہی، ان امیر المومنین نے کسی مقامات پر دہرائی ہے خان خاں
 خلیجائی رئیس قلات کے نام ایک مکتوب میں رقم فرماتے ہیں:
 ”نہایت مناسب اور مصلحت یہ ہے کہ ایسا کہا جائے کہ سب سے پہلے تو
 منافقوں کے استیصال کے متعلق انتہائی کوشش کی جائے اور جب جناب لا
 کے قرب و ہوار کے علاقہ میں ان بکر دار منافقین کا قسمہ پاک ہو جائے تو پھر
 اطمینان خاطر اور دلجمعی کے ساتھ اصل مقصد کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں،
 اس لیے مصلحت وقت یہی ہے کہ پہلے تو منافقین کے فتنہ و فساد کے دفعیہ
 کے لیے سخت کوشش فرمائیں۔“

(مکتوبات سید احمد شہید، ص ۴۷)

انہوں نے جہاد کو جس طرح مذاق سمجھ کر کھانتا، وہ تو اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ کسی
 کی طرف سے اس خدمت پر تیار نہ تھے۔ جہاد ایسا معاملہ تو نہیں ہے کہ آپ اسے قبول کی طرح
 ہر شخص کے جھونک دینے کا ڈرا دیتے ہیں، مگر ان صاحبوں نے کثرت استعمال سے اس قہر
 کو گنڈ کر ڈالا تھا۔ اگر کسی سے بحث میں مل جاتے، تو بھی یہی ارشاد ہوتا کہ فلاں کام کر لوں، تو
 اس مولوی کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔ آخر متخصیصین فی الجہاد تھے،

”مولوی اسماعیل صاحب بحث مباحثہ کے (صفحہ ۱۱) ان (مولانا عبد الرحمن دہلوی)

صوفی لقب سے ملنے گئے، مگر کہتے ہیں کہ صوفی صاحب کا تعارف غالب رہا۔
 بحث شروع کرنے سے باز رہے، رخصت کے وقت مولوی اسماعیل صاحب نے
 فرمایا کہ فریضہ محلی کے مولوی بہت گمراہ ہیں، میرا ارادہ ہے کہ جس وقت ملکتہ سے
 واپس ہوں گا، ان گمراہوں پر جہاد کروں گا۔ (فریادِ مسلمین، ص ۹۵)

اگر فرشتے مجلسوں کے معاملے میں اسماعیل دہلوی کی گلب جہاد پھڑکی تھی تو شاہ نصیر رحیمی
باقاعدہ چڑھ دوڑے تھے۔

”شاہ نصیر نامی حنفی چشتی جو ان دونوں میں ایک شاعر تھے، انہوں نے
مولوی اسماعیل صاحب کے جہاد کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا، اس میں
دو شعر جو بیچ میں لکھے ہیں، تذکرۂ آب حیات کے معنی مولوی محمد حسین بک
آزاد دہلوی نے یہ دو شعر انتخاب کر کے شاعرِ مذکور کی یادگار لکھے ہیں جن کی
میں نقل کرتا ہوں۔“

کلام اللہ کی صوت ہوا دل ان کا سپارہ
تہ یا د آئی حدیث ان کو، نہ کوئی نص قرآنی
مہر کی طرح میدانِ دغا میں چکر پڑی بھولے
اگر چہ تھے دم شعلہ سے یہ شیرِ پستانی
یہ چھیڑ ان کو ناگوار ہوئی، شاہ نصیر کے مکان پر حملہ کر کے چڑھ گئے۔“

(فریادِ مسلمین، ص ۱۱۱، ۱۱۰)

جناب یوسف جبریل جن کا کہنا ہے کہ میرے بڑے بھائیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے،
ناوائشگی میں اس مغرورے کی توبہ فرما گئے کہ اسماعیل دہلوی سمجھتوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔
رنجھل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے سستی میں

فقیہ مصلحت ہیں سے وہ رندِ بادِ خزاں اچھا
اسماعیل شہید جیسے لوگ سر سے کفن باندھ کر لوگوں کو سمجھتوں کے عذاب
نجات دلانے آتے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی سے شہید ہو کر خالقِ حقیقی سے
جاملے۔ (مضمون ”المیہ بسپانیہ کے عوامل“ از یوسف جبریل)

(روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۲۵ اگست ۱۹۶۷ء)

”خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے صاحب کے غازیوں کے بڑے
جستہ کو ایک رات میں ذبح کروایا۔“

(”علماء ہند کا شاندار ماضی“، جلد دوم ص ۲۴۵)

فضل حسین بہاری صاحب جو دہلیوں کے بہت بڑے نمائندے ہیں، سید
نذیر حسین دہلوی کی سوانح حیات میں حسب روایت محتاط زبان میں ان حضرات کے
مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچنے کی بات کرتے ہیں۔
نیرتے عشق ہیں کہ دریں دشت سبیکہاں

گامے نہ رفتہ ایم، بیابان رسید ایم
”جب سکسوں نے دیکھا کہ عشرت بیب مسلمان تمام پنجاب پر قابض ہوئیں
گئے، تو انہوں نے اپنے کو (جن کی تعداد معتد بہ تھی) گمانھ اور سبے وفا
قوم نے عین حالت جنگ میں سبے وفا کی، جس سے مسلمانوں کو شکست ہوئی،
اور مولانا شہید اپنے سروار اور ہمراہیوں سمیت ۲۷ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ
کو تین سال کی عمر میں شہید ہوئے۔“

(”الحیات بعد الممات“ ص ۲۰۴)



حسائق کا اخفاد

بدرل چکے ہیں بہت خوشنوائی کے معیار
خدا چمن میں کسی کی زباں نہ کھلوائے

جب کسی انسانے کی اساس ہی صداقت و شہنی اور کذب شعاری پر رکھی جائے تو حق کو قبول کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

آپ ناقابلِ تردید دلائل و براہین قاطعہ سے کسی موقف کو غلط ثابت کرتے ہیں اگرچہ مقابل کسی غلط فہمی کا شکار تھا، تو حق کو قبول کرے گا، لیکن اگر ایمان بوجھ کر غلط موقف کو اپنائے ہوئے تھا اور لوگوں کو دھوکا دینے کے نقطہ نظر سے سب کچھ کہہ رہا تھا، تو حقائق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا۔ غلام رسول مہر نے بڑی محنت سے کہانیاں گھڑ کر مجاہدین کی آبرو بنائی۔ اب لوگ حقائق کے آئینے دکھا دکھا کر ان کے بیانات اور توجیہات کو غلط ثابت کر دیں تو بھی وہ اپنی خود ساختہ عمارت کو اسی طرح قائم و دائم دیکھنے کی خواہش میں مجاہدین کی شانِ آبرو ہر حال میں قائم رکھنے کا اعلان کرتے ہیں:

”میں مجاہدین کی شان و آبرو ہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں اگرچہ

وہ بعض سابقہ بیانات اور توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔“

(افاداتِ مہر، ص ۲۳۱)

”افاداتِ مہر“ کے مرتب ڈاکٹر شیر مہار خان نے اپنے ماسٹرو میں کسی پمفلٹ کے بارے میں مہر صاحب سے استفسار کیا، تو شاید اس پمفلٹ کے مندرجات ان کی قائم کردہ عمارت کو

کھنڈر میں تبدیل کر دینے والے ہوں گے، اس لیے وہ لکھتے ہیں کہ میرے تاثر کے مطابق اس پمفلٹ میں سید احمد شہید کے متعلق کچھ زیادہ اچھا نہیں لکھا گیا، یعنی مہر صاحب نے تاثرات و تعصبات کو تحقیق و تامل کے ساتھ دیا ہے، کمال ہے،

ایک آپ نے غالباً انگریزی پمفلٹ کے متعلق پوچھا تھا۔ پمفلٹ میں نے کسی زمانے میں پڑھا تھا، انگریزی بہت عمدہ تھی، لیکن سید احمد شہید کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا تھا، میرے تاثر کے مطابق وہ کچھ زیادہ اچھا نہ تھا۔

(آفاقات مہر، ص ۲۳۹)

جس دستاویز تاریخ، تصنیف سے بھی مہر صاحب کو اپنے مضمونوں کی حمایت میں کوئی بات نہ ملے۔ وہ اس کو تاریخی ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اس سے صریح نظر کرتے ہیں، اسے جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں :

”مجھے دلی افسوس ہے کہ آپ کی کتاب کا وہ حصہ نہ دیکھ سکا جو بڑی دستاویزات پر مبنی ہے، آپ نے یقیناً دستاویزوں سے پورا فائدہ اٹھایا ہوگا، لیکن ایک بات عرض کر دوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض اوقات پرستاروں کی جی غلط فہمی کا باعث بن جاتی ہیں۔“

(آفاقات مہر، ص ۴، ۱۰۳)

ڈاکٹر رفیع مہار، غلام نبی نے مہر صاحب سے ایک خط میں استفسار کیا کہ تاریخ تنویر طبع ۱۹۷۹ء از سید اعلیٰ علی بن نور کمال سے ملے گی ۱۰۴ آفاقات مہر، ص ۱۹۳۔ اس کا جواب غلام رسول مہر نے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۸ء کو پتی صاحب کو دیا جس میں تاریخ تنویر طبع کا ذکر تک نہیں کیا اور ان کے اس استفسار کا جواب نہیں دیا۔ شاید ڈاکٹر پتی کے دوبارہ سہ بارہ پوچھنے پر مہر صاحب نے ۱۵ فروری ۱۹۷۹ء کے خط میں لکھا،

”کتاب بازار میں ناپید ہے، پڑائی کتابوں میں اتفاق سے مل جائے“

تو مل جائے، ورنہ اُمید نہیں کہ پاتھ آئے، (افادات مہر، ص ۱۹۸)

اس کتاب میں چوکھ حقائق میں اور حقائق جہاد کی اصلیت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ اس لیے مہر صاحب نے ڈاکٹر بنی کو اس تاریخی ماخذ تک پہنچنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیا، حالانکہ کتاب مہر صاحب کے پاس موجود تھی اور انتقال کے بعد ان کے کتب خانے میں پائی گئی۔ اسی حقیقت کو تاریخ تناویلیاں، مطبوعہ مکتبہ تنویریہ لاہور کے تعارف نگاران الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

”آفسوس کہ ان مہار اور غیور تناوولی مسلمانوں کے مجاہدہ معرکوں کو کما حقہ محفوظ نہ کیا گیا۔ مشہور مؤرخ غلام رسول قہر نے تحریکِ بلا کوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے نہ معلوم کس مصلحت کے تحت تاریخ تناویلیاں، ایسے قیمتی ماخذ کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ غالباً یہ کتاب ان کی خود ساختہ کہانی کے مطابق تھی“ (تعارف، تاریخ تناویلیاں، از محمد عبدالقیوم بلوال، ص ۲)

حق کو تسلیم نہ کرنا اور حقائق کو پردوں میں چھپانے کی کوشش کرنا صرف مہر صاحب ہی کا خاصہ نہیں ہے۔ یہ سب حضرات اس میں طاق میں مسعود عالم ندوی کو عبید اللہ ندوی پر یہ غصہ ہے کہ وہ سید احمد اور ان کے دہائی ساتھیوں کی کمزوریوں پر تنقید کیوں کرتے ہیں، ان کی مذمت میں کوئی لفظ کیوں کہہ دیتے ہیں۔ جی! جب کوئی کام قابلِ مذمت ہے تو اس کی مذمت اور تنقید میں حکم کو اعتدال پر رکھنے کے کیا معنی ہیں؟

”مولانا سندھی کی کتاب، دلی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک“ وسیع مطالعہ اور عمیق فکر کا نتیجہ ہے، مگر انہوں نے حزبِ دلی اللہ کی تشکیل اور من مانی توجیہ کی خاطر سید صاحب کے ماننے والوں اور خاص کر اہلِ صادق پور پر بڑا ظلم کیا ہے اور ان کی کمزوریوں کی تنقید مذمت

میں ان کا قلم اعتدال پر قائم نہیں رہ سکا ہے۔

(”ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک“ از مسعود عالم ندوی ص ۱۰)

جن صادق پورو والوں پر ظلم و ستم کی دہائی مسعود عالم ندوی نے لکھی ہے۔ یہی ہیں جن کے متعلق علامہ ہندکاشاندار ماسی ”اورالذرا المشورہ کے نالے سے بتایا جا چکا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے مخالف ہے۔

غلام رسول تہر کہتے ہیں،

”اگر کھانا دہی وطن کے جہاد میں ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی اور باشندگان علاقہ جات سرحد کی آزادی بھی محفوظ ہو جاتی۔ اس طرح خاصی بڑی قوت فراہم کر کے آزادی کا ہند کے لیے قدم بڑھایا جاسکتا تھا۔“

(روزنامہ مشرق لاہور، ۱۷ نومبر ۱۹۷۷ء)

مہر صاحب جدید تاریخ کے مجدد ہیں، انہوں نے اس تحریک کے حق میں لکھی ہیں مکھیں۔ بیسیوں مضامین تحریر کیے، لیکن کیا وہ خود بھی کہیں یہ ثابت کر سکتے ہیں یا اور کوئی صاحب ثناء کر سکتے ہیں کہ سید صاحب نے آزادی ہند کی بات کی ہو یا انگریزوں کو اس خطے نکال باہر کرنے کا عندیہ ظاہر کیا ہو یا سکھوں سے اس نوع کی کوئی گفتگو کی ہو کہ وہ ان سے مل کر ملک کے غاصبوں (انگریزوں) کے خلاف تحریک چلائیں۔ حالات کی سمجھائی ہے اب تاریخ نہیں لکھی جاتی، گھڑی جاتی ہے۔ یوں مہر صاحب ایک تاریخ ساز شخصیت کہلانے کے بجائے بظاہر پرست رہ گئے ہیں۔ تاریخ اعیان و لمبۃ میں محمد محبوب علی خان لکھنوی نے دلائل و براہین سے واضح کیا ہے:

”اسماعیل دہلوی اور ان کے مرشد سید احمد بریلوی کی اس جنگ زرگری سے برٹش کو صوبہ فیمل فائدہ ہوتے،

(۱) دہلی اور ہندوستان کے دیگر بلاد آسانی کے ساتھ بہادر اور غیرت مند مسلمانوں سے اکثر خالی ہو گئے۔

(۲) مغل سلطنت کے جاں نثار اس کے قرب میں کم ہو گئے۔

(۳) سلطنتِ ہند کی قوت کمزور سے کمزور تر ہو گئی۔

(۴) ہندوستان پر مکمل قبضہ کرنا انگریزوں کو آسان ہو گیا۔

(۵) ان دونوں کی ایکجہٹی سے انگریزوں کی قوت بڑھ گئی۔

(۶) ان کی جنگِ زرگری سے پنجاب پر بھی انگریزوں کا تغلب آسان ہو گیا۔

(۷) سرحدی مسلمانوں میں ان دونوں نے پھوٹ ڈال دی۔

(۸) آزاد قبائلیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا

بنا دیا۔

(۹) قبائلی مسلمانوں کے قتل کے فتحے بار بار کھٹے اور شائع کیے۔

(۱۰) پٹھانوں کی طاقت کمزور کرادی۔

(۱۱) کافروں کے مقابل ان کی ہوا خیزی کرائی

(۱۲) کتابِ تقویۃ الایمان کے ذریعہ مسلمانوں میں نفاق و شقاق کی لاگ بھڑکائی۔

(۱۳) دوسری ریاستوں اور حکومتوں کو بھی خطوط و سفیر بھیج بھیج کر پنجاب کی طرف

متوجہ کیا اور سلطنتِ مغلیہ کی مدد سے غافل کر دیا۔

(۱۴) فرقہ بندی کرائی، گھر گھر لڑائی کرائی۔ کچھ دنوں بعد ہی برٹش نے تغلب کیا

اور کچھ دنوں بعد ان کی مدد کی بنا پر انگریزوں نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام

ہند پر تسلط پالیا۔ (تاریخ اعیانِ دہلیہ، ص ۴۴، ۴۳)

حرفِ آخر

علامہ فضل حق شیرکادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کے تقابلی جائزے میں درج ذیل حقائق و معارف سامنے آتے ہیں :

۱- فضل حق کے دین کی رو سے اسلام کے دشمنوں اور ملک کے غاصبوں پر جہاد واجب تھا، جبکہ اسماعیل دہلوی کے مذہب کی رو سے یہ بات فرض تھی کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں کبھی شریک نہ ہوں۔

۲- فضل حق کا جہاد صرف انگریز کے خلاف تھا، مگر اسماعیل دہلوی جہاد سیشلسٹ تھے۔ بحشت میں جس عالم سے بار جاتے تھے، اس کے خلاف بھی جہاد کا اعلان کر دیتے تھے۔ جوشا عزان کی بھوکہتا تھا، اس پر بھی چڑھ دوڑتے تھے۔

۳- فضل حق، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حکیم رہتا تھا۔ جنگ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں انگریزوں نے مسلمانوں پر ظلم و استبداد کی انتہا کر دی۔ اس کے مقابلے میں اسماعیل دہلوی اور سید احمد کا اعلان تھا کہ سرکارِ انگریزی کو منجرا اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی۔

۴- فضل حق اور ان کے ساتھیوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ تلامذہ اور نام لیا کی حیثیت سے جنگ آزادی میں حصہ لیا، جبکہ سید احمد بریلوی نے اپنے آپ کو

”ماورمن اللہ کہنا، اپنے اور ہاہام ہونے کا دعویٰ کیا اور اسماعیل دہلوی کو سید احمد خلیفہ بمنزلہ حضرت عمر قرار دیا گیا۔

۵۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں فضل حق خیر آبادی کی خدمات جلیلہ کا اعتراف خیر جاندار مہر فیض کے علاوہ جانبدار دہلیوں کو بھی کرنا پڑا، وہ اس جنگ کے امام کہلاتے اس کے برعکس سید احمد اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی مجاہدین کو سندھ اور سرحد کے لوگ انگریز کا باسوس سمجھتے تھے، اسی لیے برا سمجھتے تھے اور اس قسم کی حقیقتوں کا اعتراف متحرک مجاہدین کے نام لیاؤں کو بھی کرنا پڑا۔

۶۔ فضل حق خیر آبادی کے خلاف استغاثے کے گواہ شہادت سے منحرف ہو گئے تو خود انہوں نے اقبال جرم کر کے کالے پانی اور شہادت کو خوش آمدید کہا لیکن اسماعیل سید احمد کے خلاف اس شکایت کی تردید انگریز افسروں نے خود کی کہ یہ انگریز کے مخالف ہیں۔

۷۔ انگریزوں کی حکومت علامہ فضل حق خیر آبادی کے جہاد کا ہدف تھی، اس کے مقابلے میں اسماعیل دہلوی کے جہاد کی راہ میں گورنمنٹ انگلشیہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ ہر طرح کی معاونت کی۔

۸۔ اسماعیل دہلوی مرہٹوں اور ٹیپو سلطان کے انگریزوں کی راہ سے ہٹ جانے کے بعد سکھوں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لیے سرگرم عمل رہے۔ ان کی کوششوں سے سکھ حکومت پر انگریز حکومت فتویٰ ہوئی، جبکہ صرف مغل حکومت باقی تھی، جسے بچانے اور انگریز کا اقتدار ختم کرنے کے لیے فضل حق نے جان کی بازی لگائی۔

۹۔ فضل حق نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اس جہاد میں باقاعدہ حصہ لیا اسماعیل دہلوی نے حضور پرور شافع ہوم الشوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے مسلمانوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور اہل اسلام اور سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔

۱۰۔ فضل حق خیر آبادی کو انگریز غاصبوں نے کالے پانی کی مزا دی، جہاں مصائب شائد کو برداشت کرتے کرتے وہ شبید ہو گئے اور اسماعیل دہلوی اور ان کے تمام ہمراہیوں کو "جہاد" کے لیے تیار کرنے کی خاطر انگریزوں نے کھانے کھلائے، سرحد میں ان کے لیے ہسٹیاں بچھوائیں اور ہر طرح سے ان کو مضبوط و مستحکم کیا۔

۱۱۔ جنگ آزاد دی میں حصہ لینے والوں کے گھر تباہ کر دیئے گئے، ان کی جائیدادیں چھین لی گئیں اور تحریک مجاہدین کو مسلح ہونے دیا گیا، ان کی ریاست در ریاست پر کوئی تعزیر نہ کیا گیا۔ انہوں نے ٹیکس لینے کا اپنا نظام نافذ کیا تو بھی ان سے نہ صرف نظر کیا گیا بلکہ ان کی ہر طرح مدد کی گئی۔

۱۲۔ فضل حق کے جاسوسوں نے ان کے خلاف گواہی دی اور انہیں مزا دلائی، اسماعیل صاحب کے جاسوسوں کی رپورٹ پر انگریز افسروں نے ان کی سرگرمیوں سے کوئی تعزیر نہ کرنے کی پالیسی جاری رکھی۔

۱۳۔ فضل حق نے عدالت میں اپنے فتویٰ جہاد پر اصرار کیا۔ اسماعیل دہلوی نے انگریزوں کی خوشحال رعایا ہونے کا اقرار کیا۔

۱۴۔ فضل حق انگریزوں کی حکومت کی مخالفت میں جہاد کا نذرانہ مانگ گئے اور وہیں شہادت پائی۔ اسماعیل دہلوی انگریز حکومت کے استحکام کی خاطر سکھوں اور سرحدی مسلمانوں سے جہاد کرنے بلا کوٹ ٹک گئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں شبید ہو گئے۔

۱۵۔ فضل حق نے والیان ریاست کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور سیلہ پور کی سرحدی اصرار کو خط لکھے، جن میں سکھوں اور مخالفت مسلمانوں کے قلع قمع کے عزائم کا اظہار کیا۔

۱۶۔ فضل حق نے مسلمانوں کو دین کی اصل پر قائم اور متحد رکھنے کے لیے کام کیا اور اسماعیل صاحب نے مسلمانوں کی تکفیر کی اور ان میں بھوٹ ڈالی۔

۱۷۔ فضل حق خیر آبادی انگریز کی مخالفت میں اور سے دہلی، دہلی سے لکھنؤ کی جنگوں
پہنچے اور اسماعیل دہلوی اس حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے یوپی سے سندھ
پنجاب، سرحد ہر جگہ گئے

۱۸۔ فضل حق غیر ملکی غاصبوں سے نفرت کرتے تھے۔ اسماعیل دہلوی غیر ملکی غاصبوں
کی فرماں برداری پر مفتخر تھے۔

۱۹۔ فضل حق خیر آبادی جنگ آزادی کے سرکردہ لیڈر جنرل بخت خان اور بہادر شاہ ظفر
کے معتمد اور مشیر تھے اور اسماعیل و سید احمد انگریز حکام کے معتمد تھے۔ سرحد میں ان
کے جاسوس سمجھے گئے اور انگریزوں نے انہیں قسماً کی مراعات دیں۔

۲۰۔ فضل حق خیر آبادی بہادر شاہ ظفر پر زور دیتے تھے کہ جمہور کی ہمت افزائی کریں
اور انہیں بہتر معاوضہ دیں۔ اسماعیل و سید احمد سرحدی قبائل کی نوجوان لڑکیوں
سے زبردستی نکاح کرتے تھے اور ان کے انکار پر ان کے خلاف جہاد کا
علم اٹھا لیتے تھے۔

ان واقعات کی روشنی میں تاریخی کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ برصغیر
کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کس نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔ آزادی کی
لگن کس کے دل و دماغ میں تھی اور کس کا جوہر اور اک انگریز حکام نے
خرید رکھا تھا۔

یہ تو ہے دو شرکت و رنجت اے نازک مزاج
زہد شاید تیرا کیشہ شے کا مکان بھی آنے گا!

کتابیات

- آٹارائے قنادید۔ سر سید احمد خاں، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی
 آزادی کے مجاہد۔ محمود الرحمان، مشعل بک فاؤنڈیشن کراچی ۱۹۷۳ء
 اردو انسائیکلو پیڈیا۔ فیروز سنز لٹریٹڈ، لاہور ۱۹۶۸ء
 اردو (سہ ماہی) کراچی، انجمن ترقی اردو، کراچی، جنوری ۱۹۶۸ء
 اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور
 اردو سے معنی (ماہنامہ) علی گڑھ، دسمبر ۱۹۰۷ء
 ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ چیمبر۔ مرتبہ خلیق احمد فاضل، اندوۃ المستنین دہلی ۱۹۵۸ء
 ۱۸۵۷ء کے کوائف و صحائف۔ ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی ۱۹۵۷ء
 اشعار سوتانوں کے مجاہد۔ غلام رسول قہر، کتاب منزل، لاہور ۱۹۶۰ء
 اخلاوت مہر۔ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پتی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
 اکابر تحریک پاکستان۔ محمد صادق قسوری، مکتبہ رضویہ، گجرات
 الاسلام (مہفت روزہ) لاہور، ۵ اگست ۱۹۷۷ء
 الاقتصاد فی مسائل الجہاد، ابوسعید محمد حسین لاہوری، ایڈیٹر رسالہ اشاعت السنۃ
 مطبوعہ دکنٹریری پریس، تالیف ۱۸۷۶ء اشاعت ۱۸۷۹ء
 السبلخ (ماہنامہ) کراچی، فروری ۱۹۶۶ء
 الحیات بعد الممات۔ فضل حسین بہاری، مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی ۱۹۵۹ء
 الزبیر (سہ ماہی) بہاول پور، تحریک آزادی نمبر ۱۹۷۷ء
 ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء۔ مفتی انتظام اللہ شاہ جانی، دینی بک ڈپو، دہلی

باغی ہندوستان (الشرع الہدیہ) مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، مترجم عبدالشاد خاں شروانی
مرتبہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۴ء

مہاراجہ ظفر وارن کا عہد - سید رئیس احمد حفی، کتاب منزل لاہور ۱۹۵۶ء

تاریخ اعیان دہلیہ - محمد محبوب علی خاں لکھنوی، مکتبہ خانہ اہل سنت، بمبئی ۱۳۷۲ھ

تاریخ اہل حدیث - میرا بایم سیالکوٹی، اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور

تاریخ تناولیاں - سید مراد علی، مکتبہ مستور لاہور ۵-۱۹ء

تحریک ریشمی رومال - حسین احمد مدنی، کلاسیک - لاہور ۱۹۶۰ء

تذکرہ علماء ہند - رحمان علی، نو کشور لکھنؤ، ۱۹۱۴ء

تذکرہ علمائے ہند - رحمان علی، پاکستان پبلیک سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء

ترجمان دہلیہ - ذاب محمد صدیق حسن خاں، مطبع محمدی، لاہور، ۱۳۱۲ھ

ترجمان اہل سنت (ماہنامہ) کراچی - جنگ آزادی نمبر، جولائی ۱۹۷۵ء

جامعہ (ماہنامہ) دہلی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، نومبر ۱۹۶۲ء

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء خورشید مصطفیٰ رضوی، مکتبہ بڑاں دہلی ۱۹۵۹ء

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد مولانا فیض احمد بیگانی محمد ایوب قادری، پاک لکچر میگزین کراچی ۱۹۵۷ء

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) محمد ایوب قادری، پاک لکچر میگزین کراچی ۱۹۷۶ء

حیات سید احمد شہید - محمد حفیظ تھانی سری، انیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۸ء

حیات شبلی - سید سلیمان ندوی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء

حیات طیبہ - مرزا حیرت دہلوی، مطبع فاروقی، دہلی

حیات طیبہ، سیرت شاہ اسماعیل شہید، مرزا حیرت دہلوی، مکتبہ الاسلام لاہور، ۱۹۵۸ء

حریت (روزنامہ) کراچی، جمہوریت لیشن ۹۰ جولائی ۱۹۷۰ء

خدا م القین (ہفت روزہ) لاہور، ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء

غشیال (مجلہ) لاہور، سن ستاون نمبر

- خون کے آنسو۔ مشتاق احمد نظامی، مکتبہ جامعہ لاہور ۱۹۷۳ء
- داستان تاسخ اردو۔ حامد حسن قادری، لکشمی نرائن اگر وال آگرہ ۱۹۵۴ء
- روضۃ الادباء۔ مولوی محمد دین، انجمن پنجاب، لاہور ۱۸۷۹ء
- ستارہ یابادبان۔ محمد حسن عسکری، مکتبہ سات رنگ، کراچی ۱۹۶۳ء
- ۵۷ کے میرو۔ منیدہ انیس فاطمہ بریلوی، اقبال بک ڈپو، کراچی ۱۹۵۶ء
- سوانح احمدی۔ محمد جعفر تھانیسری، مطبع فاروقی، دہلی
- سوانح احمدی۔ محمد جعفر تھانیسری، صوفی کینی، منڈی بہاؤ الدین ۱۳۵۲ھ
- سول اینڈلٹری گزٹ۔ (روزنامہ) لاہور، ۱۰ نومبر ۱۸۷۶ء
- ستید احمد شہید۔ غلام رسول مہر
- ستید احمد شہید کی صحیح تصویر۔ وحید احمد مسعود، مکتبہ مسعود، لاہور ۱۹۶۷ء
- سیرت ستید احمد شہید ستید ابوالحسن علی ندوی، ایم ایچ سعید انڈی کینی، کراچی ۱۹۵۸ء، ۱۹۷۴ء
- شاہ اسماعیل شہید۔ مرتبہ عبدالنذیر، قومی کتب خانہ، لاہور ۱۹۷۴ء
- صراطِ مستقیم۔ محمد اسماعیل دہلوی، مطبوعہ مطبع احمدی، لاہور
- علم و عمل (دقائق عبدالقادر خان)، مترجم معین الدین افضل گری، ایڈیٹری آف ایجوکیشنل ریسرچ ۱۹۶۱ء
- علماء ہند کا شاندار راضی۔ جلد ۱۲، ہندوستانی مسلمان اور جنگ آزادی
- ستید محمد میان ناظم حیات علماء ہند، ایم برادر دہلی ۱۹۵۷ء
- علماء ہند کا شاندار راضی۔ جلد ۲، علماء صادق پورا دان کے پراسرار عجائبات کا راز، ایم برادر دہلی ۱۹۵۷ء
- علماء ہند کا شاندار راضی۔ جلد ۱، ۱۸۵۷ء اور جانبازانِ حریت، انجمن بک ڈپو، دہلی
- علماء حق اور ان کی مخلوقیت کی داستانیں۔ مفتی انتظام اللہ شہبانی
- غالب کے کلام میں الحاقی عناصر۔ تادم بیتا پوری، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
- غالب نام آورم۔ تادم بیتا پوری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۰ء
- غالب نامہ۔ شیخ محمد اکرام۔ مکنشائی پریس لاہور، ۱۹۷۰ء

صدر کے چند علماء۔ مفتی انتظام اللہ شہبانی
 فریادِ مسلمین۔ منشی محمد حسین محمود، مطبع ریاض ہند، امرتسر
 فضل حق اور سن ستاون۔ حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکبڑی کراچی ۱۹۷۵ء
 کابل میں سات سال۔ عبید اللہ سندھی، سندھ ماگراکادمی، لاہور
 کالابانی (تواریخ عجیبہ)، محمد عفر تھانی سری۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء
 لیل و نہار (ہفت روزہ)، لاہور، جنگ آزادی نمبر، ۱۲ مئی ۱۹۵۷ء
 ماہ نو (ماہنامہ)، کراچی، خاص نمبر، بیاوگاری تحریک آزادی، مئی ۱۹۵۷ء
 ماہ نو (ماہنامہ)، کراچی، تحریک پاکستان نمبر ۱۹۶۸ء
 مخزن احمدی۔ سید محمد علی، مطبع مقید عام آگرہ، ۱۲۶۱ھ
 مسلمانوں کا روشن مستقبل۔ سید لیل احمد منگھوری، کتب خانہ عربیہ، دہلی ۱۹۴۵ء
 مشاہداتِ کابل و پاکستان۔ محمد علی قصوری ایم اے کیسٹ، انجمن ترقی اُردو، کراچی
 مشرق (روزنامہ)، لاہور، ۷ نومبر ۱۹۷۷ء
 مقالاتِ سرسید۔ حصہ پنجم، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۲ء
 مقالاتِ سرسید، حصہ شانزدہم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء
 مکتوباتِ سید احمد شہید۔ مترجم سخاوت مرزا، نفیس اکبڑی، کراچی، ۱۹۶۹ء
 مروج کوثر۔ شیخ محمد اکرام، فیروز سنز لاہور، ۱۹۵۸ء
 نقشِ حیات۔ حسین احمد مدنی، اسلامی اکادمی لاہور، بیت التوحید، کراچی
 نوے وقت (روزنامہ)، لاہور، ۲۵ اگست ۱۹۷۷ء
 ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک۔ مسعود عالم ندوی، دارالاشاعت نشانیہ، سید اکاؤنٹ ۱۹۷۲ء

انتیاز حق

ارباب تحقیق کی نظر میں

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندر دکن نواری دروازہ لاہور

حافظ ڈاکٹر محمد عادل

مستند عمومی، انجمن اسلامی تہذیبیات پاکستان، کراچی

اس کتاب کے سرچرچ پر یہ عبارت چڑھ کر ہی کتاب کا موضوع سمجھ میں آ جاتا ہے :

”فضل حق خیر آبادی اور اسفہیل و طوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ“

کتاب کی مضمونی سی عبارت چڑھ کر آغاز ہو جاتا ہے کہ دراصل یہ اس شدت کا رد عمل ہے جو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے بعض معتقدین نے مولانا فضل حق خیر آبادی کے مرتبہ کو گھٹانے میں روا رکھی ہے۔ مولانا فضل حق اور ان کے والد بزرگوار مولانا فضل امام دونوں جید عالم اور اپنے زمانے کے مشاہیر ہیں۔ دوسرے۔ دونوں کو معقولات میں جو تخریج حاصل تھا، اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے باق ہو گا کہ وہ یونانی اور اسلامی دور عروج کے مفکرین اور حکماء کی صف میں کھڑے کیے جانے کے قابل ہیں۔ اس دور میں جس طرح خانوادہ ولی اللہی نے معقولات خصوصاً علم حدیث کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا اور آج بھی اس کے اثرات پورے ہندوستان میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح مولانا فضل امام اور مولانا فضل حق نے معقولات سے اس قدر فیض پہنچایا کہ بعد کی کوئی قابل ذکر ہستی ایسی نہیں نظر آتی جس کو اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے اس دور کو متنازعہ کمینیت سے تشعشع کیا تھا۔ سیاسی اعتبار سے مسلمانان ہند کا زوال اور علمی اعتبار سے کمال۔

خود سے دیکھا جانتے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس دور کے سیاسی زوال، انتشار اور فرمانرواؤں کی کمزوری، نااہلی اور بے بسی کے سبب ہی علماء کو سیاسی معاملات میں عملی طور پر حصہ لینا پڑا۔ اس کی ابتداء حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کی۔ آپ نے جب مرثیوں کے طلبہ اور

استیلا کی شدت کو محسوس کیا تو اس دور کے مسلمان فرمانرواؤں خصوصاً نجیب الدود کو دکھایا کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا۔ جنگ پانی پت سوم سنہ ۱۷۶۱ء کے عرصہ کو جنگ میں ملا دیا اور ایک مرتبہ مسلمانوں کو اپنی طاقت بجا ل کرنے کا موقع فراہم کر دیا لیکن مسلمان اس کامیابی کے بعد پھر غواپ خرگوش میں چلے گئے اور دشمنان دین نے موقع سے فائدہ اٹھا کر صغیر کے مختلف حصوں پر قبضہ کر لیا۔ مرہٹے وہلی کے تحت بد تو نہ بیٹھ سکے، البتہ مغلیہ فرمانروا شاہ عالم ثانی کو اپنے قبضہ میں کر کے بالواسطہ طور پر مغلیہ سلطنت کے بچے کچھے حصوں پر حکومت کرنے لگے۔ ادھر انگریز بنگال اور وکن کی طرف سے بڑھتے ہوئے دوا بے کے علاقے تک پہنچ گئے اور ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۴ء میں انہوں نے سندھیا کی فوجوں سے لڑ کر علی گڑھ، آگرہ، دہلی اور گنگا جمن کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ سکھوں نے یہ حالت دیکھی تو وہ پنجاب، سو بہ سردار کشمیر پر قبضہ جما بیٹھے اور بون نے دہلی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ انگریز نے چالاکी سے کام لیا اندر یہ محسوس کر لیا کہ چند سزا گور سے اتنے بڑے ملک پر تنہا حکومت نہیں کر سکتے لہذا محالہ مقامی لوگوں سے کام لینا پڑا، لہذا ابتداءً اس نے سندھوئوں اور مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا ہتھوڑا کیا، تاہم شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ محسوس کر لیا کہ سکھ ہوں یا انگریز یا سندھوئوں کُلُّهُمْ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ کے بموجب سب ایک ہیں اور مسلمانوں کے سب ہی دشمن ہیں۔ ہندوستان کو دارا لہر ب قرار دیا اور جہاد پر پھر صغیر کے مسلمانوں کو اکسایا، جہاد کی تحریک کو چلانے کے لیے اپنے مرید فرانس سید احمد اپنے بھتیجے شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی کو منتخب کیا۔ ان لوگوں نے شمالی ہندوستان کا دورہ کر کے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا اور قریب قریب میں جا کر جہاد کے لیے بیعت لی۔ تیاری مکمل کرنے کے بعد سرحدی علاقہ کو جب اد کے لیے نقطہ آغاز بنایا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انگریز سے بھی لڑنا تھا، تو پہلے ان سے کیوں نہ لڑے اور قریب کے شہر کو چھوڑ کر اس قدر دور دراز کے علاقے کو جہاد کا مرکز کیوں بنایا۔ اس سے معاذین نے ایک نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ یہ لوگ انگریزوں کے ایک بٹل تھے۔ ان ہی کے لیڈر پر انہوں نے سکھوں کے خلاف بنگال کا آغاز کیا تھا تاہم ان کی طاقت کمزور ہو جاتے اور بعد میں

اٹھریز آسانی سے جڑیں کے اس علاقہ پر بھی قبضہ کر لیں۔ یہ لوگ مخالفت کے جوش میں اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اگر اٹھریز کی شہ پر مجاہدین نے جہاد کا ڈھونگ رہایا تھا تو پھر انہوں نے اپنی مہم کا آغاز دہلی کی طرف سے کیوں نہ کیا۔ اس صورت میں تو وہ اپنے علاقہ سے بھی قریب ہوتے اور اٹھریزوں سے بھی آسانی کے ساتھ ہر طرح کی امداد ملتی رہتی۔ اپنے امدادی مراکز سے کٹ کر غیر مللقت میں جنگی مہم کا آغاز صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو فنون حرب میں کور اور عقل سے بالکل بیہید ہو۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کے بارے میں اور جو کچھ چاہیں کہہ لیں، لیکن ان دونوں کو فنون حرب سے بیگانہ نہیں کہا جاسکتا۔ جنہوں نے سید احمد شہید کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی حمل زندگی کا آغاز ہی فوجی ملازمت سے ہوا تھا، وہ رامت ٹوئک کے بانی نواب امیر خاں کی فوج میں رو چکے تھے اور انہوں نے کئی معرکوں میں حصہ لیا تھا، لہذا ان کو فنون حرب کا پورا تجربہ تھا۔ شاہ اسماعیل شہید کئی سال ان کی زیر تربیت رہے، اس لیے انہیں بھی جمعی جالوں سے بیگانہ نہیں کہا جاسکتا۔ تاریخی حقائق کے تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تحریک مجاہدین اٹھریزوں کے خلاف بھی تھی اور سکھوں کے خلاف بھی، لیکن چونکہ اس وقت اٹھریز کی پالیسی نرم تھی، اس لیے اس کے مقابلہ کو موخر کیا جاسکتا تھا۔ سکھوں کے علاقوں میں مظالم پورے تھے اور ان کی خبریں برابر دہلی پہنچ رہی تھیں، اس لیے ان سے فوراً نمٹنا ضروری تھا، مگر یہ سب دیکھ کر کس لیے بنایا گیا تھا کہ ملل مجاہدین کو جاننا بڑھانوں کی قوت بھی مسترد تھی۔۔۔۔۔ اور دوسری جانب کی اسلامی حکومتوں سے فوج، اسلحہ اور رسد کی شکل میں امداد ملنے کی جی پوری توقع تھی، چنانچہ ابتداءً ان کی یہ پالیسی کامیاب رہی۔ کچھ علاقہ پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا اور وہاں اسلامی اصولوں پر ایک حکومت قائم کر لی گئی۔ اس علاقہ کے عام باشندے اس نظام سے خوش اور مطمئن تھے، لیکن ایک دوسرا دور نے دنیوی فوائد کے لالچ میں مجاہدین سے غداری کی اور ایک اسلام دشمن قوم کے ہاتھوں جہاد کی اس شاندار تحریک کا خاتمہ ہو گیا اور ان دونوں نے ہم شہادت نوش کیا۔ اس تحریک کے دوران مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا کردار یہ رہا کہ وہ نہ اٹھریز کی مخالفت میں سر کے کفن باندھ کر نکلا اور نہ سکھوں سے

نہروا نکالی پرتیار ہوا، البتہ جب بالاکوٹ کے خونچکاں واقعہ کی اطلاع دہلی پہنچی تو اس گروہ نے اپنے خہشہاٹن کا مسئلہ روکرتے ہوئے مسلمانوں کی ناکامی کی خوشی میں جشن منایا اور قصیدے لکھے۔ مولانا محمد حسین آزاد اپنی مشہور کتاب 'آبِ حیات' میں لکھتے ہیں،

”چنانچہ مولوی اسماعیل صاحب نے جب جہاد میں شکست کھائی اور دہلی میں خبر آئی تو انہوں (شاہ نصیر) نے اس موقع پر ایک طعنہ لانی قصیدہ کہلا دو شعر ای میں سے اس وقت یاد ہیں۔“

کلام اللہ کی صورت، ہوا دل ان کا سپارہ
نریا د آئی حدیث ان کو، نہ کوئی نصرت آئی
ہرن کی طرح میدانِ دغا میں چوڑی بھولے
اگر پرستے دم شعلہ سے وہ شیرِ نیستی

ایک سچے اور سچے مسلمان کے دینی جذبہ کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ ان اشعار میں مجاہدین کے ساتھ قرآن اور حدیث کا ہمیں مذاق اڑایا گیا ہے۔ مقتل اس بات کو ہانسنے سے قاصر ہے کہ مجاہدین کی تحریک کو اسلام کے منافی قرار دینے والا گروہ اس وقت اسلام کی کیا خدمت کر رہا تھا۔ جنگِ آزاد کو ۱۸۵۷ء واقعہ بالاکوٹ کے پورے چھبیس سال بعد لڑی گئی۔ اس وقت نسیدا احمد شہید دنیا میں موجود تھے اور شاہ اسماعیل شہید، البتہ ان کے معتقدین و متوسلین کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں سے کچھ دہلی میں اور کچھ نے نواحی مہتوں میں رہتے ہوئے انگریز کے خلاف جہاد کیا اور عملِ جہاد کیا۔ یہی نہیں بلکہ مجاہدین بالاکوٹ میں سے بچے کچھے لوگ اس کے بعد بھی برابر انگریز سے معرکہ آرا رہے اور اس کی سزاؤں میں تین سال تک خنجر جہاد کرنے کا تعلق ہے۔ یقیناً اس کی تیاری کا کام مولانا فضل حق کے ہاتھوں بڑھایا لیکن جنگ میں عملی حصہ لینے کی کوئی شہادت کسی روزنامہ یا تذکرہ سے نہیں ملتی۔ صرف عبداللطیف نے اتنا لکھا ہے: ”۱۹ اگست کو مولانا فضل حق صاحب بادشاہ کے حضور میں بارِ باب ہوئے اور انہوں نے کسی منصب کی خواہش کی۔ بادشاہ نے انہیں صبر سے کام لینے کی تلقین کی۔“

جنگ کے بعد انگریزوں نے انہیں فتویٰ کی تیاری کے جرم میں ہی کالے پانی کی سزا دی، جہاد میں عملی حصہ لینے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اپنے دور کے دو مختلف اکابرین ہیں جنہوں نے دشمنانِ اسلام سے جہاد کیا۔

آپ کی کتاب اس موضوع پر اچھی ہے۔ زبان کی حلاوت، موقع کے لحاظ سے اشعار کی بندش اور اپنا نظریہ پیش کرنے کی سعیِ بلیغ ہے لیکن تاریخی اور عمرانیاتی پہلوؤں سے تجزیہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شہبِ فکر مادۂ اعتدالی سے ہٹ گیا ہے۔ بہر حال حق کے تلاشی کی جستجو ختم نہیں ہوتی، وہ برابر حق کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے۔ ع۔

قرایا ہم کہ نیابہم جستجوئے می کفم

پروفیسر مسعود علی

پرنسپل گورنمنٹ کالج کھرو (سندھ)

زیر نظر کتاب امتیاز حق میں رہنما علام محمد صاحب نے بڑے مدلل طریقے سے اپنے مقصد کو عمل کرنے کی امتیازی کوشش کی ہے جو قابلِ ستائش ہے۔

اس کتاب پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے اس وقت کے حالات پر کچھ روشنی ڈالی جائے جس زمانے کی یہ دونوں مقتدر ہستیاں پیدا ہوئیں۔ اشعار ہیں اور انیسویں صدیاں مسلمانوں کے انحطاط و زوال کی صدیاں ہیں۔ مسلمان ہر جگہ مغلوب و مفتوح اور ذلیل و خوار ہوئے۔ ان کی سب سے بڑی سلطنت سلطنت عثمانیہ بھی انحطاط پذیر ہو چکی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کی طاقت و سطوت کو زنگ لگ چکا تھا اور سیاسی طور پر وہ ہر جگہ کمزور ہو گئے تھے۔

.....

ان کے ساتھ یہاں کی دیگر قومیں ہندو، سرہٹے اور کچھ اسلام دشمنی کی بنا پر ان کی حمایت کا اور مددگار بنی ہوئی تھیں۔ اس طرح یہ ان کے زبردست سیاسی حلیف تھے۔ سرانجام الدولہ، حیدر علی اور تیسرا سلطان جیسے عمید اور عزت مند حکمران شکست کھا چکے تھے اور دہلی، انڈیزوں کے قدموں تلے آچکی تھی۔ ایسے پُر آشوب وقت میں جبکہ سیاسی، دینی و مذہبی، معاشی و معاشرتی طور پر مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، چند مقتدر علماء حضرات ملت اسلامیہ کو غلامی سے نجات دلانے کی فکر میں سرگرمیاں تھیں اور قوم کو بیدار کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

انہی علماء حضرات میں مولانا فضل حق خیر آبادی، سید احمد شہید اور اسماعیل شہید بھی شامل تھے جنہاں بخت خاں و دیگر فوجی سردار پیشہ کے اعتبار سے انگریزوں کی غلامی و محکومیت سے نجات پانے کی خاطر فوجی حکمت عملی سے بھی کام لے رہے تھے۔ ان کے جذبہ جہاد کو بیدار کرنے میں مولانا فضل حق خیر آبادی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

سید احمد شہید اور اسماعیل شہید بھی بدالانہ حکمت عملی میں پیش پیش تھے اس طرح تحریک مجاہدین کے رہبر اپنے بدالانہ عقیدہ، نظریہ اور حکمت عملی میں ایک دوسرے کے حریف بن گئے تھے کہ برسرِ روپ کا مقصد ایک ہی تھا، یعنی مسلمانوں کو غلامی، محکومیت اور پس ماندگی سے نجات دلانا۔ فضل حق خیر آبادی صاحب کچھ زیادہ قدیمت پسند عالم تھے اور اس کے برخلاف سید احمد شہید اسماعیل دہلوی صاحب، محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات و تحریکات سے متاثر ہو کر عالم اسلام میں ایک نئی روح پھونک کر جس میں حکمت عملی کا غلبہ تھا مسلمانوں کو ذلت سے نکالنا چاہتے تھے، لیکن عقیدہ کے اختلافات سے یہاں اتنی بڑی نیلچ پیدا ہو گئی کہ آگے چل کر برٹری اور دیوبندی مدرسہ ہائے فکر کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔

اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھ کر اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امتیاز حق دراصل فضل حق خیر آبادی اور سید احمد دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ نہیں، بلکہ ہر دوسرا دوسرے کے درمیان اختلاف کو بڑا دیتا ہے اور آج کا متدبر علمائے دین اور تحریک مجاہدین کے کردار

کو گھٹانے اور بڑھانے میں مصروف تر نظر آتا ہے۔ یہی کوشش اس کتاب کے مصنف کی کامیابی ہے۔ کسی بھی دونوں نظریوں یا اشخاص کا بابتہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ مصنف غیر جانبدار ہو اور محتاط ہو۔ راجا غلام محمد صاحب جو اس کتاب اور مقالے کے خالق ہیں ہمیں غیر جانبدار نظر نہیں آتے۔ صفحہ ۲۴، صفحہ ۵۳ و دیگر صفحات پر وہ مولانا غلام رسول جہانپوری کی ناراضی اور برائی کا اظہار کرتے ہیں۔ گوشت الفنا میں کر کے اپنی ذاتی علمی اور مذہبی مخالفت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب لکھنے سے پہلے ان کے ذہن میں انجیل و بولی اور دیگر فقہاء کو ذریعہ کے مولانا فضل حق کے کردار کو ذہن پر مقرر تھا۔

در اصل عقیدے کے ٹکڑاؤں اور مذہبی مخالفت نے آج بھی یہی صورت اختیار کر رکھی ہے اور اسلام پسند جماعتیں ایک دوسرے پر کھینچا چھلانے میں مصروف ہیں اور ملکیت پاکستان کو استحکام بخشنے کی بجائے کہ عام مسلمان آج بھی دینی بصیرت سے نا آشنا ہے جس کے سبب تشدد کم کیے نہ ہو۔ نصرانیت اور یہودیت کا عالم اسلام پر غلبہ ہے۔ نزاعی اختلاف کا نقصان ناقابل تلافی ہے۔ ہمارا اپنا مطالعہ یہی ہے کہ تحریک مجاہدین کے رہبروں میں و فوٹو گروہوں کی مساعی و کوششیں کا رفرار ہی ہیں۔ شیخ محمد اکرام نے مروجہ کوثر میں سید احمد شہید و اسماعیل شہید کے ملی جذبہ کو خوب سراہا ہے اور مبلغ دین کا علمبردار قرار دیا ہے۔ مہر حال اس کتاب سے قارئین اور مستفین کے اختلافات کی راہیں غریب ہونے کے مواقع زیادہ ہیں۔

حوالے ایسے دیے گئے ہیں کہ جن کی مدد سے اسماعیل شہید و بریلوی شہید کے حامیوں کو اعتریز مل کا جاسوس بتایا گیا ہے۔ تنقید و دلائل سے اختلافات بجائے گھٹنے کے پڑتے ہی بائیں گے اور ایک لامتناہی سلسلہ چلتا رہے گا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر دو گروہ نے اپنا اپنا کردار نہایت حوصلہ مندی اور اعلیٰ ظرفی سے ادا کیا اور تاریخ کے اوراق ان کے سیاسی کردار اور جذبہ ملی کے شمار خواں ہیں۔ مولانا فضل حق صاحب کا اپنا ایک اعلیٰ مقام تھا، ان کی فضیلت اور علمی بصیرت کا ہر کوئی مدح ہے۔ مندرجہ سے تحریک مجاہدین

سید احمد شہید کی سربراہی میں ۲۷-۱۸۲۶ء میں گزرے۔ یہاں ان کی بڑی آوجھبٹ کی گئی۔ سید کے مشہور واقعہ چار منشی عطا محمد شکارپوری نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اختلاف قدامت پسندی دینی روشنی کی تحریک کا تھا، لیکن مذہبی اختلاف کوئی نہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سیاہی دہری حاصل کرنے کی خواہش نے ان کے درمیان کشمکش پیدا کر دی ہو، لیکن دونوں گروپ انگریزوں کی بالادستی اور سکھوں کی اسلام دشمنی کے خلاف تھے۔ مولانا فضل حق نے غلامی کے جرمے کو اتنا سمجھنے کی خاطر دینی قومیت بنایا اور سید احمد شہید دیگر رفقاء کے کارنے سندوستان سے جا کر شمالی افغانستان سے حملہ کر کے سکھوں کو نابود کرنے کی کوشش کی، جنہوں نے بے کس مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھائے۔

اگر وہ انگریز کے جاسوس ہوتے، تو افغان انہیں اپنے ملک میں کبھی بھی داخل نہ ہونے دیتے۔ انگریزی تسلط کو مصونہ قبول کر لینا سرسید نے بھی قبول کیا تھا، کیونکہ ان کی دشمن داخل تھا، اتحاد جی نہ تھا۔ یہی نظریہ سید احمد شہید و اسماعیل شہید کا بھی ہو سکتا ہے کہ سکھوں کے جہاد پر غلبہ پانے کے بعد انگریزوں کی خبر لی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ ہمارے انداز کے برعکس مغزل روئیہ اختیار کرنا مصیبت کے لیے سووند ثابت ہوتا۔ ہمارے انداز جانب داری کے شکوک پیدا کرتا ہے اور اس سے اس کتاب کی صحت پر اچھا اثر شب نہیں ہوتا۔ مخالفت گروپ کے لیے تاؤ توڑ حملوں کا سلسلہ دراز ہونے کا پورا امکان ہے جس سے اختلافات کی راہیں مسدود ہونے کے بجائے کشادہ ہوتی چلی جائیں گی اور غیر اقوام کو فائدہ ہوتا رہے گا۔ مسلمانوں کو غیروں کے بجائے انہوں ہی سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ خلیج کو پاٹنے کی کوششیں تیز تر کی جائیں۔

پروفیسر محمد قاسم

گورنمنٹ انسٹرکالچ - راوی روڈ لاہور

تاریخ نگاری ایک ایسا فن ہے جس کی عکاسی کر سنے کے لیے تواریخ کو نہ صرف صحیح حالات کا
 اندازہ ہونا چاہیے، بلکہ اس کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے اس کا کردار عقیدہ اور دماغ جمعی برت ہونا
 چاہیے۔ تاریخ مورخ وہی ہو سکتا ہے اور غیر جانبدار اور متخل حالات وہی بیان کر سکتا ہے جس کا اپنا کردار
 بے باغ ہو اور وہ غیر جانبداری کی روش پر چلے، تاہم نہ کہ کسی کی کاسہ عیسیٰ میں دن گزار رہا ہو اور پھر کسی
 تحریک یا تنظیم کے متعلق جاننے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے فکر کے ہرے میں جاننا ہائے اور اس
 کی تعلیمات کو مد نظر رکھ کر بھی اس کی صحیح عکاسی کی جا سکتی ہے۔ کچھ لکھنے سے پہلے میں تاریخ نگاری کا
 صرف ایک اصول بتا ہوں کہ زمانہ مستقبل کا مورخ اپنے ماضی کی تاریخ کو کچھ سمجھتا ہے
 کسی واقعہ حالات کی تصویر کو کوئی ایک عیسیٰ یا پھر معمولی رد و بدل سے پیش کر دیتا ہے، مگر کسی
 کی زندگی کے حالات کے متعلق لکھتے وقت میں آراء مورخ کے سامنے آتی ہیں۔ ایک متخل جانبدار رائے جس میں
 موصوف کی مروری کو ایسے پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی ٹی معلوم ہو، جیسے البر انضیل فیضی نے اکبر
 کے بارے میں اپنا کتاب لکھا اور اسے درحقیقت خدا بنا دیا۔ دوسری رائے متخل مخالفت پر مبنی ہوتی ہے کہ
 کہ لکھنے والا موصوف کے بر فعل کو پاس ہے وہ اچھا ہی ہو، اس انداز میں پیش کرے کہ قاری موصوف کو سلطان
 کا چیلہ سمجھے۔ تیسری اور قابل عمل رائے جس کو قاری بہتر اور صحیح سمجھ سکتا ہے، وہ ہے کسی غیر جانبدار شخص
 کی رائے۔

کسی شخص کے حالات زندگی جاننے کے لیے آپ ان تینوں آراء میں سے کس کو بہتر سمجھیں گے یقیناً
 تیسری رائے کو۔ اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے ذرا نظر کتاب امتیاز حق کے مصنف کے بارے میں نوٹ لیں

کر لیں کہ وہ مائتہ لاکھ روپے کے ان مینوں صلہ میں سے کسی پر مل کر رہے۔ ہر معاملہ کتاب کے مذہبات کا
قوان کا مختصر جائزہ ذیل میں درج ہے :

اول یہ کہ شاہ اسماعیل شاہ عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولی اللہ حضرت دہلوی کے مہر تھے نہ کہ علیحدہ
دہلوی رہا کہے۔ شاہ اسماعیل اور عبداللہ صاحب کافی عرصہ سے شاہ عبدالعزیز کے ساتھ مل کر شاہ ولی اللہ
کی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے ہر درجہ مصیبت میں کام کرتے رہے تھے اور اپنے والد بزرگوار کی تعلیمات کی روشنی
میں شاہ عبدالعزیز نے ہی جہاد کی فطرت پر عمل کی اور اپنی اپنی ان کے ضبط و دلوں میں دشمن بنائیں
اور شہزاد اور سکھ تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی دہلی کا بیٹا تھا جس کا تعلق اس عظیم تر شامل مکتبہ سے ہے جو کہ وہ علم عربی سے
اپنی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ اس لیے ان کو اس عظیم کام پر روانہ کیا گیا اور شاہ اسماعیل اور عبداللہ کو
صاحبان کو معاون مقرر کیا گیا اس لیے اگر شاہ عبداللہ کوئی بیچارہ ان کو غور و نظر سے دیکھتا تو ان کا گھر پیش کرتا ہے
کہ معاذ اللہ حضرت عبداللہ اور حضرت محمد کی شان گروا تھا ہے تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری ہے نہ
کہ ان اصحاب کی۔ اگر کوئی شریعت، فلسفہ، تالہ بن کا بیٹا خود کو حرامی مشہور کرنا چاہے اور والدین پر ہمت دے
تو اس میں قصور والدین کا تو نہیں۔

دوم، مسکوں کے خلاف جہاد دے دے میں رہا غلام محمد نے کہا ہے کہ انگریزوں کے خلاف
جہاد کیوں نہ کیا یہ سوال کرنے سے پہلے انہیں اس وقت کے حالات کا اور انگریز کی پالیسی کا اندازہ ضرور
سونا چاہیے کہ اس وقت کوئی ایسی سلطنت، زمین میں موجود تھی جو برطانوی مسلمانوں کی انگریز کے خلاف
جہاد میں مدد کر سکتی۔ کیا تمام مسلم ریاستیں انگریزوں کی ہنگامہ زار تھیں۔ کیا وہ عملی نظام کے تحت ان کی خود مختار
قائم تھیں۔ تو وہ کس طور مسلمانوں کی مدد کرتے۔ بلکہ اس تنظیم کے پاس خود اتنے وسائل نہ تھے کہ جنگ کی
صورت میں سدا کا مسلسل قائم رکھ سکے اور پھر اس وقت انگریز کو یہ صورت اپنا اقتدار قائم رکھنا مقصود
تھا۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کی عبادات و عروا میں کسی قسم کا دخل نہ دیا، مگر یہ کہ جو شہر اور دیہات
پر قابض تھے۔ کیا ان کے زیر اثر مسلمانوں کو اپنی مذہبی و فرائض نبھانے کی اجازت تھی۔ کیا وہ
اذان دے سکتے تھے۔ کیا اذان تبلیغ دین کر سکتے تھے۔ کیا ان کی عظیم مسٹر تھیں۔ عبادت گاہ مسجد

مخفیہ تھی۔ بالکل نہیں۔ وہ اذعان نہیں دے سکتے تھے مسجدوں کو اسطیل اور بارود خانوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ عرصہ سے تباہ کر دیتے گئے تھے۔ کیا یہ سب کچھ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے تھا ہم پر نہیں۔ آپ خود سمجھ لیجئے کہ اگر کسی کے دو دشمن ہوں ایک خاموش ہوا اور دوسرا گھر کو جلا دے۔ گھر میں آگ لگا دے۔ آپ کس کے گلے پڑیں گے۔ خاموش رہنے والے کے نہیں یقیناً آپ آگ لگانے والے کو مارنے دوڑیں گے اور اس لڑائی میں اگر آپ کا دوسرا دشمن کچھ معاونت کرے گا تو آپ وہ بتا کر نہیں سکیں گے یہ علیحدہ بات ہے کہ اس میں اس کی کوئی پالی ہوا اور وہ اس تباہی کو اس کی مکمل طاقت میں جلا کر پاتا ہے اور یہ سمجھتا اس شخص کا کام ہے۔ یہی صورت سکھوں کے خلاف جہاد کی تھی اور سرحد کا علاقہ اس لیے منتخب کیا تھا کہ وہاں مسلمان حکومت تھی اور پشت پر بھی افغانستانی کی مسلم حکومت تھی۔ اگر ہندوستان میں رہتے ہوئے سکھوں سے جہاد کرتے تو پشت سے اٹھ کر کے حملہ کا بھی خطرہ ہو سکتا تھا۔

سوم، مصنف کتب ہزانے ہر ممکن یہ کوشش کی ہے کہ تحریک مجاہدین کو انگریزوں کا حاشیہ نظر قرار دے جس کی دلیل میں ایک ہی بات کو بار بار مختلف پرانے میں بیان کر کے مسمون کو طویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انگریزوں نے مجاہدین کی معاونت کی نہیں، یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ حقیقت انگریز نے یہاں بھی اپنی پالیسی قائم کر رکھی اور حکومت کرو۔ اپنا فی یہاں اس کی پالیسی وہ فرقہ نہیں بلکہ تین فرقہ تھی۔ اس نے ایک تیر سے دو شکار نہیں، بلکہ تین شکار کیے۔ اول ہندوستانی مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کیا۔ دوم سکھوں کے زور کو توڑا۔ اور سوم یہ کہ افغانوں کی طاقت کا شیرازہ بکھیرا۔ یہ تین ہی انگریز کی پالیسی۔ جس میں ہندوستانی مسلمان پہلے بھی پھنسنے تھے اور اب کہ پھر اسی دلدل میں دھنسنے گئے تھے۔ سرحد کا علاقہ جنگ کے لیے منتخب کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایک مسلم حکومت کا قیام عمل میں لاکر جو کہ ان خطوط پر مبنی برہمن کی نشان دہی شاہ ولی اللہ صاحب نے کی تھی ہندوستانی کی آزادی کی نئی نئی ڈالی جائے مگر جب وہاں حکومت قائم ہو گئی اور وہاں کے امرا نے بیعت و اطاعت قبول کر لی تو پھر انگریز اور سکھوں کی چالوں سے مسلمانوں میں آپس میں ٹھنسی گئی۔ فرقہ واریت کا بیج بویا گیا اور اسے خوب بڑا دی گئی اور اس پھیلاؤ سے غریب ملک بڑا کی جو افغانوں کا بغاوت یہ نتیجہ ہوئی۔

کوئی اہمیت قبول کرے اور پھر بناوٹ کر دے، تو امیر کو کیا لائق محض اختیار کرتا ہے۔ اس کا
 اعزاز آپ خود کر لیں اور یہ بات بھی مد نظر رکھیں کہ اس وقت ایک حکومت کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔
 رہا معاملہ ان کے خلاف فتویٰ کا تو میں بھی اس کے حق میں نہیں۔ میں صرف تاریخ کی رو سے متعلق کو دلیل
 کرنے کی کوشش کروں گا۔ چہ باہم یہ کہ شاہ اسماعیل کے بارے میں مصنف نے برہات میں صرف ایک
 ہی دلیل کو برہانگ میں پیش کر کے کردار کشی کی کوشش کی ہے اور وہ ہے پڑنا کا وعظ۔ جاسوسی کا باب
 ہے یا سیاسی کردار کا، انگریزوں کی کاسٹریسی کا باب ہے یا سکھوں سے بھاڑ کا، ہر جگہ صرف اسی ایک
 دلیل کو بنیاد بنایا گیا ہے جو تاریخ نگاری کے ساتھ ایک مذاق ہے اور پھر مصنف نے حوالہ بات میں ایک
 ہی مصنف کی دو متضاد آراء کو ایک ہی پیرائے میں بیان کر کے اپنے مصنفوں کے قوانین کو بھی بگاڑ دیا ہے۔
 پنجم، مصنف کسی صورت بھی دونوں اصحاب کا موازنہ کرنے میں بالکل ناکام رہا ہے۔ فضل حق
 خیر آبادی کا تو متعزز اسبیت ذکر ہے، مگر شاہ اسماعیل کے بارے میں مصنف نے نہایت تعصب سے کام لیتے
 ہوئے ہر باب میں ملامت کرنے کی کوشش کی ہے مگر کتاب کا ہر باب شاہ اسماعیل کے بارے میں نہیں
 بلکہ سید فقیر حسین سید احمد دہلوی (۱۹)، اور دوسرے پیر و کاروں اور مورخ نگاروں پر تنقید اور ان کے افلاک
 اور بہانات کو جھٹلانے پر صرف ہوا ہے۔ یہ باب فتویٰ کے بارے میں یا جہاد کے بارے میں ملکی بلن
 کے بارے میں ہے یا انگریزوں کے شامیہ برداروں کے بارے میں، اس میں ذکر صرف اور صرف
 اور زیادہ تر سید احمد اور دوسرے پیر و کاروں کا ہے۔ شاہ اسماعیل کا نہیں، بلکہ برہات میں مصنف نے
 دیدہ و دانستہ شاہ اسماعیل کو ہر کام میں ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔ ذکر تو وہ سید احمد کرتا ہے مگر
 باب کا اختتام شاہ اسماعیل پر کر کے ان پر طعن کرتا ہے۔ یہ تعصب رویت کسی طور پر تاریخ نگاری کے
 شایان شان نہیں۔

رہا معاملہ سید احمد کی ولایت کا، تو یہ تاریخی حقیقت ہے کہ سمرقند نامی دو ایک عرصہ تک
 عبدالوہاب کے ساتھ رہے تھے مگر شاہ اسماعیل اور عبداللہی وغیرہ کسی کی ہالہ و باب سے ملاقات نہیں ہوئی

جسکے یہ دونوں اصحاب شاہ عبدالعزیز کے مرید تھے۔ اگر کوئی ان کو سید احمد کامرید یا خلیفہ ثابت کرتا ہے تو یہ اس کی کم عقلی ہے اور اسے حقیقت کو جاننے کے لیے تاریخ کی وقتی گردانی کرنی پائے۔
ذکر آٹھ دس کتابیں مسمیٰ رکھ کر کسی کی کمرہ کشی کی خاطر اس میں سے حوالہ جات نقل کر کے کتاب لکھ دے۔

پروفیسر میاں مقبول احمد

گورنمنٹ انٹر کالج، راوی روڈ۔ لاہور

تحریکِ آزادی کے علمبرداروں کی انفرادی اور اجتماعی کادشوں کا اساطیر نگار کوئی انسان کام نہیں اور پھر ان کا عالمی جائزہ تو اور بھی مشکل ہے جس کے لیے تاریخی واقعات اور سیاسی حالات کا گہرا مطالعہ اور شعور درکار ہے۔ یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ داعیانِ آزادی کی شخصیتیں ہمیشہ متنازعہ رہی ہیں۔ اپنے عوارضوں کی نظر میں ان کا کردار فرشتوں سے برتر ہے، جبکہ مخالفین کے نزدیک ان کا ہر فعل ننگِ شہ کی نگاہ میں دیکھا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ عقیدہ کی وابستگی ہے۔ عقائد اور مسلک سے بالاتر ہو کر تاریخی حقائق اور سیاسی شراہ پر مکمل غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو حُسنِ وقیع کی ایک متوازن صورت پیش کی جا سکتی ہے۔

راجا غلام محمد صاحب نے آئینِ آزادی میں سیاسی متنازعہ فریہ مسلک پر قلم اٹھایا ہے اور وہ اپنا انداز میں بہت حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے حالات و واقعات پر حوالوں کی روشنی میں ترجمہ کرتے ہوئے قارئین کے اذہان میں حقائق کو نقش کرنے کی کامیابی سہی کی ہے۔ ————— مورخین

کی گہری چھاپ سے گریں کہیں لہجہ کی دھتکی کا بھی احساس ضرور ہوتا ہے۔ تاریخ فریہ گانڈیز اصول غیر جانبداری اس وقت پیش نظر ہے۔ موازنہ اور مقابلہ کرتے وقت بے لگ تبصروں سے ہوتا ہے۔ ایک ہم شربِ بہم مسلک اور مہنما کے لیے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی باقی، لیکن ایک مبستد یاد

غیر جانبدار قاری کے لیے یہ بے حد ضروری ہوتا ہے۔ راجا صاحب نے اعتراضات کے ابطال میں زور قلم صرف کر دیا ہے اور مصلحتاً آزماست کہ براست "خود مخالفین کی شکایات سے بڑی کامیابی کے ساتھ ان کے اعتراضات کا رد چیل کر دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ منطقی انداز میں اعتراضات بھی اٹھاتے ہیں لیکن انہوں نے کہیں موضوع سخن حقیقتوں کے جذبہ آزادی کا اعتراف نہیں کیا۔ ان کے طریق کار سے لاکھ اختلاف ہیں، مگر بنیادی جذبہ آزادی تو کم از کم قند و آسمان کی فطر سے دیکھا جا رہا ضروری ہے۔ میرے خیال میں اگر تحریک مجاہدین کا نظریہ دل کی سستہ پالیسی سمیٹ ڈالو اور حکومت کو رد کے پس منظر میں دیکھا جائے، تو باجمعی مافرت کی اصل وجہ واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے جو وہ اپنی بقائے حکومت کے لیے ہر نوع زیر عمل لاتے تھے۔ مجاہدین نہ تو اخراجات کے حاشیہ بردار تھے اور بھی کھول کو اپنا خیر خواہ معاوان سمجھتے تھے، انہوں نے تحریک پلائی، آزادی کا نعرو بلند کیا۔ تنظیم کی دماغ میں ملالی قوم میں آزادی کا جذبہ اجماعاً بے بغناستی کے عالم میں ہمہ سادہ حالات کا سامنا کیا۔ اپنے ساتھیوں اور بعد میں آنے والے عزت پسندوں کے لیے راہ عمل و جہاد کو مبرا کیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی بساط اور طاقت کے مطابق شجر آزادی کا بیج بویا اور اس کی آبیاری کی کسی نے کسی نے کم کسی نے زیادہ۔ ہر ایک کا حصہ بقدرت اورست تسلیم کرنا حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کسی کی کوششوں اور کاوشوں کو محض نظر انداز کر دینا انسان کے سراسر نافی ہے۔ حصول مقصد کے لیے دو چیزیں لازم ہوتی ہیں، ایک جذبہ اور دوسرا عمل۔ جذبہ بنیادی چیز ہے اور عمل اختیاری، جذبہ کی صداقت سے انکار ناممکن ہوتا ہے، البتہ عمل میں خامیاں کوتاہیاں اور بے اعتدالیوں بے تنقید قرار دی جاسکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں حالات و واقعات کی گہرائی پر ضرور پرکھا جائے تاکہ کردار کشی کا شائبہ نہ ہو۔

جذبات و عواطف اور عقائد کی دل بستگی کے باوجود ایک پاکستانی کو کسی نوع اس حقیقت سے سرفراز نہیں کہ دینی رہنماؤں ملت کے اکابرین سیاسی لیڈروں، مفکرین، مجاہدین، اوبار اور شعلہ سب نے مل کر اپنی استعلاعت کے مطابق تحریک آزادی کو پروان چڑھایا اور تعمیر پاکستان میں متقدم رہ کر کوشش کی۔ آج ہم ایک خود مختار اور اسلامی ملک بن گئے۔ انہیں سب سے پہلے وہ مجاہد

حب بزرگوں کی سماجی تجلیہ کا شریعہ ہے۔ انکارین کی حرف گیری ہمیں زیب نہیں دیتی۔ ان کے باہمی سیاسی اختلاف سے بھی ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ان سب سے جیسے بھی بن پڑا، انہوں نے ہمیں پاکستان لے دیا۔ اب مادرِ وطن کی عزت و ناموس اور بقا و استحکام کی خاطر ہمیں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

جناب بزمی انصاری

۸۷ء۔ جاک این۔ تاریخہ ناظم آباد کراچی ۲۲

امتیاز حق نامی کتاب کالاب و لمجہ کہیں کہیں تصنیف و تالیف کے مسئلہ منوالہ کے خلاف تلخ اور درشت ہو گیا ہے۔ نیز یہ کتاب فرقہ وارانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ میں طبعا صلح جو اور امن پسند آدمی ہوں، خواہ مخواہ کسی متنازعہ معاملے میں اپنے آپ کو ملوث کرنا نہیں چاہتا، لہذا میں ایسی کتاب پر توجہ کرنے سے معذور ہوں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایم اے ایچ ایچ ڈی، ڈی لٹ

ایڈیٹر ننگر پاکستان، کراچی

امتیاز حق میری نظر سے پہلی کتاب گزری، جس میں مولانا فضل حق خیر آبادی کی اصل کیفیت تاریخی حقائق کی روشنی میں سامنے لائی گئی۔ اس سے پہلے حکیم محمود احمد بکاتی صاحب کی مختصر کتاب دیکھی اور انھیں روشنی کی تحسین دیکھ کر امتیاز حق نے دل و دماغ دونوں کو سحر کر لیا۔ راجا غلام محمد صاحب ایک نئے اور دونوں موضوع پر جس پر عالمانہ اور محققانہ اعزاز سے گفتگو کی ہے وہ ان کی تاریخی بصیرت

اور وسعت مطالعہ پر دلالت کرتا ہے۔ عموماً ایسے موضوعات پر سہارے موزوں اور صاحب لکرائے
 اہل قلم تک جذباتی اور جانبدارانہ لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ لہجہ ان کی تنگ نظری اور کم علمی پر فنی
 برتری ہے لیکن مجھے راجا صاحب کے قلم میں ایسا اعتدال و توازن نظر آیا کہ ان کے علم و فضل کا قائل بن جائوں
 ”مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کی شخصیت کو ہمارے موزنین نے کس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے،
 اس کا مجھے پورا فائدہ امتیاز حق کے مطالعہ سے ہوا۔ راجا صاحب نے بڑی خوبصورتی اور قوت کے
 ساتھ ان کے مخالفین کو جواب دیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد سید احمد بریلوی کے بارے میں
 میرا نقطہ نظر بدل گیا ان میں خود کو مجبور پاتا ہوں کہ ان کے معرکوں اور جدوجہد فی سبیل اللہ پر اس قدر توجہ دلوں
 ہو یا کہ کچھ پسپے پسپے برسوں میں آزادی کے حوالے سے سید احمد ان کی تحریک کے بارے میں مشہور
 کتب و مقالات لکھے گئے ان میں سے بیشتر میں یہ کوشش کی گئی کہ انہیں ملحد و بوندے منسلک کر کے
 جنگ آزادی کا سب سے بڑا مجاہد ثابت کیا اس کوشش میں حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈالے گئے کہ
 پردہ کے سوا اور کچھ سامنے نہ رہا۔ ایسے میں عام پڑھے لکھے طبقے کا سید احمد کو مجاہد اعظم سمجھ لینا اور
 مولانا فضل حق خیر آبادیؒ سے بلکہ ان کی حیرت انگیز دستاویز راجا صاحب کی کتاب اگرچہ صرف ۱۹۵۰ء
 صفحات پر مشتمل ہے لیکن انہیں جس حسن و خوبی سے خاکہ کیا ہے اور فضل حق خیر آبادیؒ دینے احمد کے
 کرداروں کا فرق واضح کیا ہے وہ اسے ایک جامع کتاب کی حیثیت دے دیتا ہے کوئی دوسرا جوتا تو
 جیسے ایسے اقتباسات کے ذریعہ کتاب کو ختم بنا دیتا۔ راجا صاحب نے اصل موضوع کو ہر وقت سامنے
 رکھا ہے اور جس طرح ایک اچھا وکیل صرف منروسی باتیں، مصنفین کے سامنے پیش کرتا ہے اور چل
 کو لغائی کے بجائے دلائل اور حقائق کے ذریعہ انصاف کی طرف راجع کرتا ہے، بالکل اسی طرح اس
 کتاب میں صرف کام کی باتیں ہی کہی گئی ہیں نہ لغائی ہے نہ انتشار پر بازی، نہ طویل اقتباسات ہیں، نہ
 بے لے حوالے صرف شہادتیں اور اسناد ہیں، وہ بھی مختصر اور بر محل نتیجہ بات کی تک پہنچا مشکل نہیں
 دیتا اور کتاب کا قاری پوری دیانت کے ساتھ مصنف کے ساتھ جوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک
 اس کتاب کے جواہر میں کوئی اور کتاب سامنے نہیں آتی اسے اپنے موضوع پر صرف آخری سچا جائے گا اور
 اس کا قاری سید احمد کے بجائے مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کو اصل مجاہد سمجھے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج، سکرنڈ، نواب شاہ (سندھ)

استیاذِ حق اہم ہستی ہے۔ اس کتاب میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے کردار کا حقائق و واقعات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اور تاریخ کے بعض گوشوں پر وہ اٹھایا گیا ہے ہمارے بعض موضوعوں نے تاریخی حقائق کو عقیدے کی عینک سے دیکھا اور ایک طرف جنگ گئے اور دوسری سمت کو بحیرہ نظر انداز کر دیا یہ بھی نہیں بلکہ ایسی خاک اڑائی کہ دوسری سمت نظر نہ آئی صفید کو سیاہ بنایا اور کھرسے کو کھوٹا کر دکھایا اس طرح پوری قوم کو دھوکہ دیا یہ ایک قومی سانحہ ہے اور عظیم المیہ۔ یہ وہ روزا ہے کہ شہادتِ ہمسایہ کے خون سے اس کا زیادہ چرچا بھی نہیں کیا جاسکتا ہمارے مورخوں کی ایک طرف یہ کرم فرمائی کہ خشک شہادت کو محبوب کو مہر در بنایا اور دوسری طرف یہ قہر اچھڑی کہ محبوب و مہر در شہادت مروود۔ پاکستان کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر ہشتیاق حسین قریشی نے اسی قسم کی قہرِ مسلمانوں کے بیشِ نظر کھلے دل سے یہ اعتراف فرمایا کہ تحریکِ جہاد کے بارے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے، سب یک طرفہ ہے۔ ہم کو فاضل مزمل راجا غلام محمد صاحب زید مجدہ کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے دوسری طرف بھی توجہ فرمائی اور شائع کی بنیاد حقیقتوں پر رکھی، افسانوں پر نہیں۔

مزمل کا طرزِ استدلال نہایت پختہ اور طرزِ تحریر نہایت شگفتہ ہے۔ اشعار ایسے برحق اور چست جیسے اس موقع کے لیے کہے گئے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ کے طالب علم تو اس سے محفوظ رہیں گے ہی، مگر ادب کے طالب علم بھی محفوظ رہیں گے بغیر نہ رہیں گے۔ طعن و طعنہ زد میں فی نفسہ اچھا نہیں سمجھتا کیونکہ ان کی تکنیکی و ترشی تحریک کو بدعزہ اور مستعد کو مجروح کر دیتی ہے، مگر فاضل مزمل کا

یہ کمال بیان ہے کہ ان کے تیر و نشتر ایسے دل آویز و دل پذیر ہیں کہ شاید مقتول و مجروح بھی دلوں میں بے غرض رہے۔

”امتیاز حق“ کے مطالعہ سے ان حضرات کے فکر و خیال میں تبدیلی مشکل معلوم ہوتی ہے، جنہوں نے تاریخی حقائق کو عقائد کا درجہ دے رکھا ہے اور تاریخ کی روح ہی سے محسوس نہیں، البتہ ان حضرات میں تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے جو تاریخ کو عقائد کی نہیں حقائق کی روشنی میں پڑھنا چاہتے ہیں اور یہ تبدیلی آئی چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اجماع نے جو عقل کو برا نہیں کیا اور برا نہ ہو سکتا و مفسداری کے باوجود عقل کی بات سننے کے لیے تیار رہیں۔

اللہ تعالیٰ فاضل و زلف محترم بابا غلام محمد صاحب زید مجدہ کو جزائے خیر عطا فرمائے گا انہوں نے تاریخی حقائق کو واضح گات بیان کیا اور حسن بیان سے جمال حق کی لاج رکھی۔ اُمید ہے کہ ان کی یہ کتاب حق پسندوں میں مقبول و محبوب ہوگی۔ ناشر بھی مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے قرآن و اسلام کو سچی تاریخ سے روشناس کرایا، انکھوں سے پردہ ہٹایا اور دل و دماغ کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کا اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کتاب کو پھر ارفع ہدایت بنائے، آمین بجاہ ستیہ المسلمین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم

ماہنامہ فیضانِ لاہور۔ جون ۱۹۷۹ء

پروفیسر سید محمد عارف

گورنمنٹ کالج۔ بہاولپور

ہر زمانے میں مذہب و مسلک کے تعصبات کے بیش از حد مروجین نے تاریخی جہد یا فتوحات کا ارتکاب کیا ہے، لیکن زمانہ بقول اقبال نصیری کائنات ہے۔ کھاکو ٹاٹا لگ کر ہی کھنکھاتا ہے کتاب امتیاز حق کا میں تھے بلا امتیاز۔ مٹا لے نہ۔ جوں جوں اس کے اوراق پلٹتا تھا،

حیرت و استعجاب میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سید احمد بریلوی اور اسماعیل شہید کے بارے میں میرے اپنے مطالعے کے پیدا شدہ مسلمات ٹوٹتے جاتے تھے۔ سہو دراصل مذکورہ بزرگوں کے عقیدہ کنندہ مؤرخین نے ان کی جو تصویر کشی کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کے سخت دشمن تھے، علائکہ واقعات کو غیر جانبداری سے دیکھا جاتے، تو مصنف کے دلائل بڑے ذہنی معلوم ہوتے ہیں کہ درحقیقت معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ ان کے معروف جہاد میں انگریزوں کی کلم کی اعانت ہر قدم پر شامل حال رہی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ گئے تھے سکھوں سے جہاد کرنے، لیکن سرحدی مسلمانوں سے جا بھڑے، کیونکہ ان کی نظر میں وہ بھی بدعتی تھے، مشرک تھے، لہذا قابلِ گردن زدنی تھے، علائکہ اس طرز عمل سے مسلمانوں کی اس اجتماعی حقوت پر ضرب کاری لگی جسے انگریزوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔

مجھے مرحومین سے کیا پرغاش ہو سکتی ہے، لیکن اتنا انصاف تو ضرور ہونا چاہیے کہ تاریخ میں جو شخصیت جس مقام کی مستحق ہے اسے وہی مقام دیا جائے۔ یہ مسلکی تعصب کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے کہ فضل حق خیر آبادی، جن کی خدمات جہاد آزادی میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں، کو پس پشت ڈال دیا گیا اور وہ لوگ جن کی کوششیں کسی اور رخ پر ہوئی رہیں، ان کی عظمت کو بڑھانے کے لیے اس قدر جھوٹ بولا گیا کہ وہ سچ معلوم ہونے لگا اور ثقہ لوگوں کی غلط نمائی نے حقائق کو اس قدر مسخ کیا کہ مسلمان پٹھانوں کے خلاف ان معرکوں کو تحریکِ پاکستان کی بنیاد قرار دیا جانے لگا۔

تاملقہ سر بنگر یہاں ہے ہائے کس یا کیے

نام نہاد محققین و مؤرخین اسلام نے سید احمد بریلوی و اسماعیل شہید کی سیرت و سوانح پر بڑی شد و مد سے قلم اٹھایا، لیکن فضل حق خیر آبادی کے سلسلے میں ان کا وہی رویہ ہے۔

مومن نہ ہوں جو ریل رکھیں بدعتی سے ہم

مصنف کتاب ہذا نے بڑی تحقیق اور بڑے سلیقے سے ان ہی کے اکابر کے حوالوں سے ناانصافیوں کے انزالے کی کامیاب کوشش کی ہے جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

جناب محمد اسرئیل

سابق مترجم السنۃ شرقیہ پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی

کتاب میں نے اول سے آخر تک غور و غوض کے ساتھ حرفاً حرفاً اور کئی بار پڑھی حقیقت یہ ہے کہ محترم راجا صاحب زید مجدہؒ نے مواد جمع کرنے، سلیقہ مندی اور خوش اسلوبی سے ترتیب دینے، مناسب مقصد پر جستہ جستہ اشعار کیا موتی پرونے میں بڑی ہانہ نشانی، محنت، شاذ و عریضی سے کام لیا ہے اور کمال یہ ہے کہ اُمتیاءِ حقؒ و باطل کے لیے سادے حوالے ان لوگوں کی کتابوں سے لیے ہیں جو تاحق استاد الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے عمل صالح کو فہم میں سمجھنے اور ان کے روشن کردہ چراغ کو حمد کے چھوٹوں سے بچھانے کی ہرگز کوشش کرتے ہیں۔ ہر بحرِ اتنی سادہ، رواں اور مصفاۃ ہے کہ ساری کتاب میں ان لوگوں کے جس تحقیر و تفتیش کا شانہ بک نہیں، غرضیکہ محترم راجا صاحب کی اس کاوش اور سعیِ فیض کے لیے راقم کیا سلسلہ عالیہ خیر آبادیہ کے تمام متوسلین تہ دل سے شکر گزار رہیں گے۔

حضرت شاہ اسرئیل صاحب کے دہلی سے نکلنے یا نکالنے اور تحریک مجاہدین کے حلق میں دو محضر حضرات کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں اور آخر میں بزرگوں سے اپنی سنی موتی اور کچھ ویجی ہوتی باتیں عرض کر دوں گا، جن سے اُمتیاءِ حقؒ کی مزید تائید ہوتی ہے۔

(۱) مولانا ابو محمد قلندر علی الزبیری الاسدی پانی پتی اپنی کتاب جنوئل التخییر فی تفسیر البشیر والنذیر میں تحریر فرماتے ہیں،

”اور بلا شک مولوی اسماعیل دہلوی حافظ قرآن اور عالم باعمل تھا لیکن متعادہ جملہ کرتے والا اپنے اکابر معاصرین سے اور شدت کرنے والا عارفین کے خلفاء پر، ان سے اس واسطے عابت تھی

کہ امراء و ملاطین انی خلفاء و عرفاء کو عطیات کثیرہ دیتے تھے۔ اس کو اس قدر نہ دیتے تھے پس اس
 ہوا اس کو اور اپنے وعظ میں بڑا کہنا ان کو شروع کیا، حتیٰ کہ استعانت باولیار و کرامات عرفاء سے بھی
 انکار کیا اور اختیار کیا غریب عبد الوہاب ناصبی نجدی کا، جس کی مذمت حدیث بخاری سے قطع ہے
 پس اُس کے زمانہ کے علماء و فضلاء نے اس کو بُرا کہا اور بُرا مانا اور اس سے مباہلہ کیا۔ آخر اہل مباحثہ
 منہج پرستی ہوا اور اس کی تنفیذ کی اور عالم کے حکم سے دہلی سے خارج کر دیا۔ (توضیح)
 اس عبارت سے اسماعیل صاحب کے کردار پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ مؤلف اسی عہد کے
 چشم دید گواہ ہیں۔

(۲) شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب رضوائی اپنی کتاب بہارستان افغانی (پشتو)
 میں سید باچاؑ اور شاہ اسماعیل کے متعلق لکھتے ہیں،

”مفتوں کے ملک کے مشہور واقعات میں سے ایک واقعہ سید باچا کا ہے جو ستر سال قبل
 پشاور اور افغانستان کے ملاقاتوں میں پیش آیا تھا جس میں بہت سے مسلمان، پٹھان و رانی علماء اور
 سردارانِ متابع اور قتل ہوئے اور میکڑوں دیہات برباد ہو گئے۔ یہ فتنہ اس سرزمین میں صرف
 چار سال تک برپا رہا، لیکن چنگیزؑ بلا کو اور نادر کی تباہیوں سے زیادہ ملک کو نقصان پہنچایا اور دین
 و دنیاوی نقصان نہیں، بلکہ لوگوں کے عقائد بھی خراب کر دیئے۔ (ترجمہ)
 ص ۶۱ و ۶۲ پر لکھتے ہیں،

”مولوی اسماعیل حیر شاہ عبدالعزیز کے جیسے اور شاگرد بھی تھے اور بہت ذکی آدمی تھے، اپنی
 بدعتیہ گی کے سبب کہ فقہ نہیں مانتے تھے اور تقلید کے منکر تھے، دہلی میں اس کا گوداں نہیں ہو سکتا تھا
 ہا و شاہ اس سے ناراض تھا۔ جامع مسجد میں کوئی نماز پڑھنے نہیں دیتا تھا۔ مولوی فضل حق قیصر آبادی جو
 اس وقت کے بڑے فاضل اور علامہ تھے اور ریڈیٹ صاحب دہلی اور میرادشاہ بادشاہ دہلی کے
 بڑے دوست تھے مولوی ان کا دشمن ہو گیا کیونکہ وہ تمام متقدمین کو بھتی کہتا تھا انہیں اپنے خیالات کی اشاعت
 کے لیے سارا دیکر تھا، اس لیے سید سے جا ملا اور اس کا مرید بن گیا۔ (ترجمہ)۔

ص ۶۵ پر لکھتے ہیں،

”اسی سال (۱۷۸۷ء) کو پنجتار کے مقام پر ہندوستانیوں کے بہت سے قافلے رامپور ملی اور عظیم آباد سے کثیر سامانِ رسد کے ساتھ پہنچ گئے۔ مگر ان میں سے محبوب علی دہلوی سید کے کردار سے بڑا ناخوش ہو گیا اور ان پر بڑے اعتراضات کیے کہ آپ کی امامت اور جہاد قطعاً صحیح نہیں ہے۔ آپ بیت المال کی رقم بے جا خرچ کرتے ہیں، بہت سارے لوگوں کو ناحق اکٹھا کیا ہے۔ ساتھ ہی غازیوں کو بڑا بھلا کہا کہ جہاد تم یہاں کس لیے بھیجے ہو؟ تم پر مالِ باپ، اولاد اور بیویوں کا حق بنتا یہ مال کیا کھنٹے ہو؟ مات و ن پکھلنے کھانے میں لگے رہتے ہو، کون سے کافر سے تم نے جہاد کیا؟ تمہارا دین دنیا فلوں خراب ہیں مثلاً اور میرے سید سے کہا کہ آپ کا مطلب سرداری اور حکومت ہے، سرے سے آپ کی اہمیت ہی ناہانزبہ۔ اس پر بہت سے غازی پرانگندہ ہو گئے اور مولوی محبوب علی جو سید کے خاص مددگار تھے بہت سارے لوگوں کے ساتھ ہندوستان واپس چلے گئے اور ہندوستان کی مدد بند کی۔“ (ترجمہ)

ص ۶۵ پر لکھتے ہیں،

”سید کا دباؤ جب بڑھ گیا تو اس نے سمد (علاقہ قریفہ نئی) کے تمام خوانین اور سربراہان و دروہ لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ بغیر کچھ ایسے وسیع کنواری لڑکیوں اور بیواؤں کی شادیاں کراؤ، چنانچہ ہزاروں کنواریاں سیاہ دی گئیں، اس لیے پٹھان اس بدناموسی (بے عزتی) پر بھیغہ خند ہو گئے۔“ (ترجمہ)

ص ۶۵ پر لکھتے ہیں،

”سید قبات خود دلیر اور اچھے آدمی تھے اور عقیدہ بھی اُس کا کچھ بڑا نہ تھا، لیکن اس کی سادگی اور مولوی اسماعیل کی آزادی اور غیر متنفدی اور خود سری، ہمیشہ رشتہ اللہ کی خرابی اور بربادی کا سبب بنی مولوی اسماعیل وہ پھلا آدمی تھا جس نے اپنے بزرگوں اور استادوں کے برخلاف دہلیت کی دنیا دکھی اور سید سے کہا آپ مثل محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور میں (اسماعیل صاحب) مثل ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہوں اور تمام دنیا کے ان مسلمانوں کو بدعتی کہتا تھا جو فقہ پر عمل پیرا تھے۔ انہی بدعتی لوگوں کو قتل کرنے کی عرض سے سید کو امام بنایا۔ ملہار پر کفر کے قتل سے لگا تے اور انہیں قتل کرتے ہوئے مولانا عبدالحی

جوان کے استاد اور سید کے پیر تھے، انہوں نے کبھی ایسے کام نہیں کیے تھے۔

میری ویہ و شصتید

آج رستہ (۱۰) سے چھپن سال قبل کی بات ہے کہ میں پہلی بار اپنے گاؤں سے نکل کر اپنے قلم زاد بھائی کے ساتھ ٹانگیں میں مروان یا رہا تھا جس میں اگلی سید پر دو معمر ترین بزرگ بیٹھے تھے۔ اسلامی حکومت کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

اس زمانے میں افغانستان کی حکومت سے لوگوں نے امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ بہت کا واقعہ تازہ تھا۔ ایک اسلامی حکومت کے حق میں تھا۔ دوسرے نے کہا، کونسی اسلامی حکومت اور شریعت؟ وہی جو ہندوستانی لاتے تھے اور اپنے دورِ امارت میں بلا اجازت ہمارے گھس میں گھس کر ہماری جوان بیٹیوں اور بہنوں سے زبردستی اپنے بالوں سے جو تکیں تھکواتے تھے اور دم دیکھ کر بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، ایسی شریعت سے انکار کیا کہ فر کی حکومت ہزار درجے اچھی ہے۔

یہ گفتگوں میں اپنے کانوں سے سُنی ہے۔ اس وقت اگرچہ ہمیں یہ باتیں اچھی نہیں لگیں۔ مگر بڑے بوکر اپنے بزرگوں اور دوسرے معتدین سے حالات معلوم کرنے پر اس کی صداقت پر یقین کیا اور آقا کا گاؤں پہنچنا کے قریب واقع ہے۔

اور دینی یہ ہے

ہمارے چھپن کے زمانے میں اکثر عجمیہ ائمہ و علما کے لیے غیری کیا کرتے تھے۔ میرا نے اپنی آنکھوں سے دہندوستانیوں کو دیکھا تھا جو اس کام پر مامور تھے۔ لوگ انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آفر کا گیا، کھل (جو ٹوپی سے کچھ فاصلے پر دیاتے سندھ کے کنارے آباد تھے اور ب تہذیب و تہذیب کی وجہ سے تہذیب آگئے ہیں) میں لوگوں نے انہیں دیا میں پیدیک دیا، انفس کہ میں ان کے نام بھول گیا۔

ملاوہ انہیں یہ بھی مصدقات ہے کہ یہ لوگ علما و مسلمین کے مال و متاع کو اپنے لیے حلال سمجھتے تھے۔ اس لیے مذہبی طور پر ہٹا کر لے جاتے تھے اور اپنے کام میں لاتے تھے۔ حقیقت یہ کہ اس زمانے میں آقا

اب بھی ہمدرد اور افغانستان کے باشندے سب کے سب پچھے حنفی المذہب اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے لیے قلعہ تیار نہ تھے۔ مخالفت کرتے کرتے لڑتے یہاں تک پہنچے کہ تمام علاقے کے لوگوں نے جوڑ کر کے فیصلہ کیا کہ اگر مارا نہ جائے گا تو پھر جب آگ روشن ہوتے دیکھی جائے تو جہاں یہاں یہ لوگ موجود ہوں انہیں قتل کیا جائے۔ افسوس کہ ایسا ہی ہوا اور یہ مسافر اپنے وطن سے دور پڑے کسی مہربانی کی حالت میں مارے گئے، قربان کیے گئے کمزوروں میں ڈال دیئے گئے کوئی انہیں امان دینے والا نہیں تھا، سکھوں کا زور نہ ٹوٹ سکا اور ان کا زور ٹوٹ گیا۔

ان دروہاک واقعات کے بعد پھر اسی نادار خان کے فرزند خان مقرب خان کی سرکردگی میں علاقے کے لوگوں نے بالاتفاق سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور چند ہی دنوں میں یوسف زئیوں کا علاقہ پاک کر دیا۔ اس جہاد میں شریک چند ایک بزرگوں کے ساتھ مجھے ملاقات فیصلہ ہوئی ہے، جو فیضی امداد کے مجیب و غریب قسے بیان کرتے تھے۔

مذکورہ بالا حوالہ جات اس لیے نقل کیے گئے کہ بی بات اور بھی عیاں ہو جائے کہ مضمحل و مہملہ نے ہمتیاری نہیں جوہر استہ اختیار کیا ہے وہ بالکل سہل و سادہ اور موصول الی المطلوب ہے اور اس کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ حضرت اسماعیل صاحب اور حضرت سید احمد صاحب اور ان کے متبعین نے سکھوں سے کم اور سردی مسلمانوں کے ساتھ زیادہ جہاد کیا ہے اور اشریروں کے ساتھ جہاد کرنے کا تو ان دونوں حضرات کی تاریخ میں کہیں ذکر تک نہیں، دونوں سکھوں یا مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کے منصب میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ بقول صدہ منطقی اور فلسفی نہیں ہیں، جرات ایمانی دیکھئے کہ کافر اشرار کے تسلط کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور جس کا انجام بھی نہیں معلوم تھا کہ کس نے موت ہے یا ہمدرد یا سہ شورش کسی مسلمان کے خلاف یہ فتویٰ دیا۔ نہ کسی کو قتل کیا یا صرف مسلمانوں کی آزادی اور اسلامی حکومت کی بقا کے لیے اپنا سر، اپنا جہاد و منصب اپنا مال و مال فدا کیا جس کی سزا میں جہاد رائے اللہ انہیں بھیجے گئے اور وہیں شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین

پروفیسر سید سبط حسن فاضل زیدی

گورنمنٹ کالج، سکرنڈ، ضلع نواب شاہ (سندھ)

امتیاز حق امتیاز حق و باطل کا معیار ہے۔ راجا غلام محمد صاحب نے سنی طبع فرما کر یہ ایک کسوٹی بنادی ہے جس پر کھوٹے کھرے کو پرکھا جاسکتا ہے۔ اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی جن کے ناموں کے ساتھ شہید کا لفظ ایک تہمت ہے۔ ان کو ان کے صحیح خدو خال میں پیش کیا گیا ہے اور یہ حقیقت ناقابل تردید شواہد کی روشنی میں پیش کی گئی ہے کہ اسماعیل دہلوی اور ان کے پیرو سید احمد بریلوی انگریزوں کے ساتھ دہر داختہ تھے اور ان کا سکھوں سے جیاد ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت تھا۔ دراصل وہ سکھوں سے لڑائی انگریزوں کے اشاروں پر کر رہے تھے اور ان کا مقصد وحید سکھوں کی طاقت کو کمزور کرنا اور سرحد کے کٹر مسلمانوں کو کفر کے فتوے صادر کرنا تھا۔ انگریزوں کو سکھوں اور پٹھانوں ہی سے خطرہ تھا۔ دونوں کا استحصال وہ اس ترکیب سے کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ سید احمد بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی سکھوں سے اُلجھے اور پٹھانوں پر تانہ زور کفر کے فتوے لگاتے اور بالآخر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

راجا غلام محمد صاحب کی تحقیق انیت سے یہ بات پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہے کہ غلام رسول خیر (مجرم) اور پروفیسر محمد الیوب قادری جیسے افاضل بھی کتمانِ حقیقت کرتے رہے ہیں۔ اور درست حوالوں کو نظر انداز کرتے رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دونوں فاضل بزرگ دہلوی مسلک کے پیرو ہیں۔ مولانا غلام رسول تبرک زو مسند دہلوی تھے اور الیوب قادری صاحب پر ان کے جہانی البرمعاویہ نعمت اللہ قادری صاحب کا گہرا اثر ہے اور وہ ترویجِ عقائد جماعتِ اہل سنت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں اور کتمانِ حقیقت کرتے رہے ہیں

مجاہد میل مولانا فضل حق خیر آبادی تردید حقائق و دلائل میں بہت ہی پیش پیش تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مرزا غالب سے ایک فارسی مثنوی بھی دہائیوں کی تردید میں لکھوائی تھی۔ مولانا مزہم کو دہائی مستغنیہ نے بالکل نظر انداز کر دیا اور ان کے مجاہدانہ کارناموں اور ۱۸۵۷ء کی مجاہدیت پر آزادی میں ان کی سچی تعریف کو بہ یکہ جنبش قلم نظر انداز کر دیا اور ان کا نام مجاہدوں کی فہرست ہی سے خارج کر دیا۔ مولانا غلام رسول قمبر اور پروفیسر ایوب قلوری صاحب نے بھی اس کارنامہ میں حصہ لیا ہے۔ راجہ غلام محمد صاحب نے مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب پر تحقیق کا حق ادا کر دیا اور ان کی صحیح تصویر پیش کر دی ہے۔ یہ کارنامہ مٹھلائے جانے کے قابل نہیں ہے۔

حکیم محمد نصیر الدین ندوی

نظامی دواخانہ - شمار اولیاء وقت، کراچی

چند ہی قبل مخدوم زاودہ آفاق حضرت مولانا حکیم سید محمود میاں صاحب برکاتی نے مجھے ازراہ کرم آپ کی ایک تفسیر لطیف "امتیا زین" عطا فرمائی۔ موضوع کتاب کی دل کشی نے مجھے کلیشہ اپنے اندر جذب کر لیا اور میں کئی دن تک اس بحر لذت میں غرق رہا۔ کتاب کیا ہے، ادب و شعرو انشاء کا ایک دریائے متلاطم ہے۔ آپ کے قلم حقیقت رقم سے جو بات بھی نکلی ہے وہ میزانِ عدل انصاف پر بالکل درست ہے۔ حریف معاند کی اور اس کے ہم مشرب و مسلک اصحاب کی جانب سے مسلسل یک صد سالہ دشنام طرازیوں، بادوگوئیوں، کذب بیانیوں اور گوناگوں دل آزاریوں کے باوجود کیا محال ہے کہ آپ کی زبان قلم سے کوئی ایک جملہ بھی ایسا نکلا ہو جس میں ادنیٰ شائبہ دل آزاری کا ہو۔ آپ نے حقائق کا انکشاف ناقابل انکار دلائل سے فرمایا ہے اور ایسے تاریخی شواہد فراہم کر دیے ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی ان حقائق سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا۔

اسماعیل دہلوی کا سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ وہ عبدالوہاب نجدی کی اتباع میں اپنے انگریز قاضی کی خواہشوں کی پیروی کرتے ہوئے اسکا نظیر کا قائل ہو گیا اور اپنے باطل افکار سے مراد صریحاً مذہب میں حضرت رب العزت کی عدم قدرت کے اثبات کے مددے ہو گیا، حالانکہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی عظمت میں بہت سے امور متعین کیے ہیں اور متعدد مقامات پر قدرت کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ کلام پاک میں متعدد مقامات پر حضرت حق جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر رسالت ختم کر دی گئی ہے اس لیے بعصرت کو اتنا بھی نظر نہیں آتا کہ اسکا نظیر کا قائل ہونے کی صورت میں غلبہ و عید لازم آتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اس ظالم کے اس اقدام سے باہر نبوت و انبوہ اور انگریز نے غلام احمد قادیانی کو نبی بنا کر کھڑا کر دیا اور مسلم قوم کے شیرازے کو منتشر کر دیا ہے۔ عہد برطانیہ سے پہلے مدعیان نبوت کی سرافرازی تھی مگر غلام احمد قادیانی کو تو انگریز کی نصرت و حمایت حاصل تھی، اس لیے یہ فتنہ آج تک مسلم قوم کے جسد ملی میں ناسور کی طرح موجود ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب مستطاب امتناع النظیر کا سہل و آسان ترجمہ کر کے خاک میں عام کر دیا جائے تاکہ وہاں میں ایسا فتنہ کبھی سر نہ اٹھ سکے۔ حضرت علامہ مرحوم نے اس کتاب میں ایسے عقلی و نقلی دلائل جمع کر دیئے ہیں کہ عالم میں کوئی بھی سے نبی انسان بھی اسکا نظیر کا قائل نہیں ہو سکتا۔ یہ کتاب دراصل علامہ مرحوم کی ذہانت و طباحتی پر ایک روشن دلیل بھی ہے اور حضرت سرکارِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے علامہ مرحوم کی کمال وابستگی و غایت عقیدت و شہادت کا بین ثبوت بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں اسماعیل دہلوی کی گستاخیاں پر علامہ مرحوم کے قدم میں انتہائی شدت و تہمت بھی آگئی ہے۔ یہ کتاب حضرت علامہ مرحوم نے دراصل اپنے تلمیذ رشید مولانا عابدی اللہ بخیرہری کے نام سے ارقام فرمائی تھی۔ مولانا عابدی اللہ صاحب کی دیانت اس امر کی متہنی نہیں مٹتی کہ وہ حضرت علامہ کی کتاب اپنی ذات سے منسوب کر لیں اس لیے انہوں نے اپنے شاگرد رشید مولانا سلیمان اشرف بہاری کے اصرار پر مصنف کا اصل مسودہ ہی مولانا سلیمان اشرف کے حوالے کر دیا۔ یہ تلمذاتیں مجھے مولانا سلیمان اشرف مرحوم ہی سے معلوم ہوئی ہیں۔

آپ کے دماغ میں ذخیرہ و اشعار بھی میاری ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں مروج و مقبول عام اشعار بھی ہیئت ہی کم استعمال کیے ہیں۔ نہ شبلی سے مستعار لیے ہیں نہ مولانا ابوالکلام آزاد سے بلکہ خود ہی اساتذہ قدیم کی بیاضوں سے منتخب فرماتے ہیں۔ سپہر جو شعر بھی آپ کی زبانِ قلم سے نکلا ہے بے اختیار نکلا ہے۔ مولانا آزاد کی طرح طویل تمہید کے بعد نہیں نکلا ہے۔ ذللت فضل اللہ جو قبیہ من یشاء۔

پروفیسر سید خورشید حسین بخاری

گورنمنٹ گورنمنٹ کالج، ننکانہ صاحب، ضلع شیخوپورہ

بزمِ صغیر پاک و ہند میں سجادِ اعظم نے حسانت کا بیج چمکایا اور مجد اللہ تعالیٰ اب تک بلند رکھتے ہوئے ہیں۔ اس طبقہ کے علمائے دین میں اسلام کے اصول و ضوابط کو عوام کے دلوں میں رائج کرنے کی بے پایاں کوشش کی اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے مقامِ صدر میں کامیاب بھی رہے۔ رزمِ باہزم انہوں نے اپنے متہائے نظر کو کبھی نہیں نبھلایا اور سرِ طرح سے سنی و کوشش کر کے عزمِ باہزم کے ساتھ دین حق کی اشاعت کی۔ چنانچہ آج اگر بزمِ صغیر میں اسلام اپنے اصلی مذاہل کے ساتھ موجود ہے تو بلاشبہ انہی بزرگانِ دین کا صدقہ ہے۔ ہمیں من حیث القوم ان حضرات کا شکر ادا ہونا چاہیے۔

ان بزرگانِ دین نے مسلمانوں میں تپ و عن کوٹ، کوٹ کر بھردی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۸۵۷ء میں بعض بدتمیزا و شرار نے مسلمان حکومت ختم کرنے اور کپٹی میاؤں کی حکومت قائم کرانے کے لیے بزمِ صغیر میں فتنہ و فساد کی آگ بجھڑا دی تو اس موقع پر ان حضرات کا مقابلہ کرنے کے لیے جو علماء و وریش اور فقراء سر کھن باندھ کر میدان میں آئے۔ ان میں شہیدِ مزینت علامہ فضل حق خیر آبادی

بیشک پیش تھے، اللہ تعالیٰ کے اس شیر نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس وقت مسلم حکومت ختم ہو گئی اور برصغیر میں انگریز قدم جما لے، تو انگریز مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کو ختم کر کے دم لیں گے اور ہندوؤں کا ساتھ دل و جان سے دیں گے، چنانچہ دستِ گواہ ہے کہ ان کے یہ مذہبات بالکل درست ثابت ہوئے۔

علم و فضل اور بصیرت کے لحاظ سے اس دور کا کوئی عالم علامہ فضل حق خیر آبادی کا ثانی نہ تھا۔ آپ کا مدد سے اپنے زمانے کا بے مثل مدد مستجاباں مزاروں کی تعداد میں طلب تحصیل علم میں معروف رہتے اور ان کے تمام اغراضات علامہ فضل حق خیر آبادی خود برداشت کرتے تھے۔

جب جنگ آزادی شروع ہوئی تو حضرت موصوف نے اپنی فرست مومنانہ سے حالات کا جائزہ لے لیا تھا، چنانچہ آپ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جاری کیا اور مقدمہ چلنے پر انگریز کی عدالت میں اس کا بیڑی جرأت کے ساتھ اقرار بھی کیا، حالانکہ گواہوں نے عدالت میں آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا کہ شاید اس طرح آپ سزا سے بچ جائیں، لیکن آپ کی غیرت ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ غلط بیانی کر کے قیفرنگ سے رہائی حاصل کر لیں۔

ایک طرف تو اہل حق کی یکسختی تھی کہ وہ ناموس ملک و ملت پر کٹھمرے کے لیے تیار تھے اور اپنے راستے میں آنے والی کسی مشکل سے بھی ٹانگ نہیں تھے، لیکن دوسری طرف اہل غرض تھے جو قویٰ فروغ مند و چار تراں فروغ مند کی دزدندہ مثال بن کر انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے، اور ان کے ایما پر مجاہدین جنگ آزادی کی توجہ اپنے اصل مقصد سے ہٹانے میں مصروف تھے۔

ہو تو یہ چاہیے تھا کہ غرض اندک قسم کے لوگوں کے سیاہ کا زہنوں کا یا تو بیان نہ کیا جائے اور اگر تاریخی نقطہ نظر سے ان کا بیان کرنا ضروری ہی تھا، تو تاریخی غیر جانب داری سے بیان کیا جاتا، تاکہ حقائق قارئین کے سامنے آجائے اور وہ جان لیتے کہ جنگ آزادی میں کن لوگوں نے کیا کردار انجام دیا ہے۔ ہماری قیمتی ہے کہ جن مردانِ خرم نے ۱۸۵۷ء میں انگریز حکومت کے خلاف سر دھڑکی باندی لگا دی، انہیں تو وطن فروش ملک کہا گیا، لیکن جنہوں نے انگریز کی سرسما حملت کی، ان پر داد و تحسین

ڈوٹکے ہی نہیں برساتے گئے، بلکہ انہیں قومی میرو بیکر پیش کیا گیا اور اس طرح تاریخی حقائق مسخ کیے گئے اور صحیح معنوں میں ملک و ملت کے لیے کام کرنے والوں کو گوشہ نگہنامی میں دیکھ لیا گیا، ہمارے بعض مؤرخین نے ایسا کرنے سے عملی عملی کردار انجام دیا ہے اور اسماعیل دہلوی اور ستیا چند بریلوی ایسے لوگوں کو نا بھگتہ مفرغہ گارہستی اور قومی میرو کے طور پر اپنی تحریروں کے ذریعے متعارف کرایا ہے، حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں اور اگر حالات و واقعات کا تجزیہ کیا جائے اور بنیادی مائننگ سمائی مسائل کو برکے معلومات، ہمہ پہنچائی یا نہیں، تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ ان صاحبان نے اپنوں کے بھائے اختیار کا دم بھرا قوم میں بد دلی اور مایوسی پیدا کی۔ انگریز کو برصغیر میں قدم جانے میں مدد دی اور صوبہ سرحد میں بھی مسلمانوں کے خلاف ہی برسر پیکار رہے اور آخر اپنی فطرت کی دیر سے پٹنے فٹنے انجام کو پہنچے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کو اصل صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔ اہل علم اور خصوصاً محققین کو تحقیقی صحیح کے ذریعے دکھایا جائے کہ اسماعیل دہلوی اور ستیا چند بریلوی کو برصغیر کے والے قدم بزرگ و غلط ہیں اور وہ کس طرح عوام الناس کو بھی نہیں، بلکہ پڑھے لکھے طبقے کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں الحمد للہ کہ ماہر غلام محمد صاحب نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور اسماعیل دہلوی اور ستیا چند بریلوی کی دیکھ بھالوں اور فتنہ پردازوں کا پردہ چاک کر دیا۔ ماہر صاحب نے حقائق مستند حوالوں اور دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ اسماعیل دہلوی اور ستیا چند بریلوی نے کس طرح انگریزوں کی امداد و ماتحت کی۔ فاضل کولف کی تحریر میں جاؤ میت ہے اور بیان میں علالت ہے۔ انہوں نے انگریزوں کو جس انداز سے ترقیب دیا ہے اور اسے شہسایا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ جزائیت سے محروم اور دلائل سے آراستہ ان کی تحریر میں ایک دل آویزی پائی جاتی ہے اور یہی دل آویزی قاری کو اپنے ساتھ ساتھ لیے جاتی ہے تا آنکہ قاری کتب ختم کر کے ہی دم لیتا ہے۔ تحریر کی یہ خوبی بہت بڑی ہے کہ کتب ختم کر لینے کے بعد قاری ————— دوام قاری ہو یا محقق ————— مصنف کا ہم لڑا ہو یا نا ہے اور اس کے سامنے ۱۸۷۵ء کی جنگ آنا دی میں حضرت مولانا فضل حق فیہ آبادی کے

کردار کے ساتھ ساتھ انجیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی اصل تصویر بھی سامنے آجاتی ہے۔
میں نے کتاب کا بالائستحاب مطالعہ کیا ہے۔ کتاب پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ راجا صاحب کے
دلائل اس قدر قوی اور متضاد قدس مستند ہیں کہ ان سے انکار تو کیا، اختلاف کرنا بھی ناممکن ہے
اور ایک اچھے مصنف اور محقق کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ تحقیق کے دوران متنازعہ مسائل میں
اعتدال کا راستہ اختیار کرے، بلا استناد کوئی بات نہ کہے اور ٹھوس دلائل سے قاری کو اپنا
ہم نو بنائے۔

پروفیسر ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی

مہر نرسا غنس کالج - کراچی

اس کتاب کے مطالعے سے جی حقائق کا از سر نو علم ہوا وہ میرے لیے انتہائی تعجب انگیز
ثابت ہوئے۔ یقیناً ذرائع ابلاغ پر قبضے کے سبب جو تاریخی غلطیاں ہوئی ہیں، ان کی اصلاح ضروری
ہے۔ آپ کی کتاب میں تاریخ تاولیاں کے متعلق جو واقعہ صفحہ ۱۲۴ (اب صفحہ ۳۳) پر درج کیا
گیا ہے۔ مجھے بھی کچھ ایسی قسم کا تاریخ تجربہ مرحوم مولانا غلام رسول تہرے بلا اور ملی وادینی کام کرنے والوں
میں جس تنگ دلی کا مظاہرہ دیکھا گیا اس سے مجھے ذاتی طور پر بے حد دکھ ہوا تھا اور یہ دیکھا آج
تک ہے۔ چونکہ میں خود اس تجربے سے گزر چکا ہوں، اس لیے تاریخ تاولیاں کے مسئلے میں ان کا
رد عمل یقیناً ایسا ہی ہوگا، جس کا ذکر آپ کی کتاب میں آیا ہے۔ جب صاحبِ علم اس طرح لوگوں کو
طرح و سہ دیں تو پھر کس کی شکایت کی جاسکتی ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر پوری طرح مادی ہے اور اس جنگِ زرگری سے جو نقصان
مسلمانوں اور جو فائدہ برٹش گورنمنٹ کو پہنچے، اس کی تفصیل درودناک بھی ہے۔ اسلام کی سب سے

بڑی مصیبت تو یہی ہے کہ ایک فرقہ اپنے نظریات پیش نہیں کرتا بلکہ دوسرے پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیتا ہے۔ معلوم نہیں کہ خود اس کے دین کے ساتھ اس کے اعمال کی ضمانت اس کو کس زندگی میں کہیں براہِ راست تو نہیں مل گئی ہے۔

ایک گزارش آپ سے یہ ہے کہ بعض جگہ زبان کو اور متین بنانے کی ضرورت ہے۔ کہیں کہیں بیچے میں درشتی اور کھٹگی بھی ہے۔ یہ مناظرے کی کتاب نہیں، بلکہ تاریخ کی اہم کتاب ہے اور تاریخ کی کتاب میں طنز و طعن میں کمی کی ضرورت ہے۔ بہر حال میں آپ کے اس تحفے کے لیے ازمد شکور گزار ہوں۔

پروفیسر حافظ سید قصود علی

گورنمنٹ منٹاژ کالج، خیرپور میرس (سندھ)

زندہ قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش نہیں کرتیں۔ وہ ان کے شاندار ماضی کو مشعلِ راہ بنا کر اپنے جہال کی راہ گزر کو روشن رکھتی ہیں۔ ان کے یہ کارنامے نئی نسل کو عزم و استقلال اور جرأت و بہمت کا سبق دے کر ان کے قول و عمل میں فضول، ارادوں میں استقامت، کردار میں ہمدی اور نقطہ نظر میں آفاقیت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے پیغام کی ہمہ گیر فطرتوں کے پردے چاک ہوتے ہیں اور نئی نسل کو حیات نو حاصل ہوتی ہے۔

جو ہو سکے تو کرو چاک و امنِ خلعت

ستارہ بن کے چمکنے سے کچھ نہیں ہوتا

یہ کس قدر غریبی ہے کہ ہمارے بعض مؤرخین نے سوادِ اعظم کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور مذہبِ جدید آزادی میں ان کی گراں قدر خدمات کو بغیر نظر انداز کر کے ایک غیر محققانہ اور جانبدارانہ نقطہ نظر پیش

کر کے تاریخی حقائق کو مسخ اور فنی روایات کو مجروح کیا ہے۔ یہ احسان فراموشی اور تاریخی بددیانتی کی علامت ہے۔ مضافاً اس پر، مضافاً کے خلاف، یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں بالکل نظریات، مفروضات، تصورات کا پردہ چاک کر کے اصل حقیقت سے ہمیں روشناس کرایا ہے۔ ان کی یہ کوشش لائق تحسین اور قابلِ قدر ہے۔

راما صاحب کی تحریر میں سادگی کے ساتھ عازمیت کا حسن بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ موصوف نے علامہ فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار سے تاریخی کو متعارف کراتے ہوئے اعتدال اور توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ کسی مقام پر بھی تعویذ پسندی پر مستحکم غالب ہوتی نظر نہیں آتی۔ طرز استدلال فلسفیانہ، جذبہ سائنس دانانہ اور نقطہ نظر مشفقانہ ہے۔ ایسے کی بے ساختہ و غلو میں کی فراوانی، بیان کا تسلسل، واقعات کی صداقت، تلاشی حق کی جستجو، موضوع اور موقع کی مناسبت سے اشعار کے بر محل استعمال نے کتاب کے مضمونی حسن اور افادیت میں اضافہ کیا ہے۔ موصوف نے محققین، اہل علم اور دانشوروں کے مستند حوالے اور ان کی تحریروں سے اقتباسات پیش کر کے دلائل کے وہ انبار لگا دیئے ہیں کہ قاری کے لیے اعترافِ حق سے گریز ناممکن ہے۔ نئی نسل جو اپنے ماضی کو صرف "قسنہ ماضی" ہی سمجھتی ہے، اس کے اندر محبت اور عقیدت کے جذبات بیدار کر کے اپنے اسلاف کے نقوش پاکو نشان منزل بتانے کی بے پناہ فطرت پیدا کر دی ہے اور انہیں یہ یقین دلایا ہے۔

جنہیں حقیر سمجھ کر کھج دیا تم نے

وہی چراغ جلیں گے تور و شنی ہوگی۔

محققہ کا امتیاز حق کے مطالعے سے جہل کی ماری کثافت و حمل جاتی ہے۔ حق پرستی کا چہرہ بالکل عکس کر سامنے آ جاتا ہے اور زمین میں علم و آگہی کے قہقہے روشن ہو جاتے ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کی مجاہدانہ زندگی کے بے شمار گوشے بے نقاب ہوتے ہیں اور یہ مرقعِ پرست ہمارے سامنے حق کی خاطر مانے بھر سے بھڑبانے والا مجاہد عارفانہ اور مومنانہ نقطہ نظر

رکھتے والا مسلمان استقامت کا پہاڑ، حق پرستی کا بے مثال آئینہ، ایثار و قربانی کا نمونہ اور علم و عمل کی صداقت کا ایک بھرپور گواہ نظر آتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ راجا صاحب نے اس مرحلے کی ذات مجموعہ صفات سے ہمیں روشناس کرانے کا حق ادا کر دیا ہے۔

سید نجم الحسن رضوی خیر آبادی

علامہ فضل حق خیر آبادی کو علوم و فنون میں جو اجتہادی مقام حاصل تھا، وہ اہم ترین اہم ہے۔ جن الفین کو بھی علامہ کی علمی حکمت اور فنون پر دست لگاؤ کا پورا اعتراف ہے۔

علامہ کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرا، اس کو زندگی کا دور اول کہنا مناسب ہے۔ اس دور میں آپ نے حاشیہ قاسمی جیسی نادرۃ روزگار کتاب لکھی جس کو معقولات کا فتاویٰ کہا جاتا ہے۔ بحث و حدیث الوجود میں اروض المجہد تصنیف فرمائی، جس میں عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا ہے۔ تہذیب الکلام کی شرح لکھی جو اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن علامہ عبدالحق خیر آبادی کی وفات کے بعد اس کا نسخہ ضائع ہو گیا۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا نور الحسن کاندھلوی، مولانا ہدایت اللہ خاں چوہدری، مولانا عبدالحق خیر آبادی جیسے فخر روزگار تلامذہ پیدا کیے جنہوں نے اپنی تدریسی اور علمی شہرت سے بدستور کی مختلف درس گاہوں کے فضلا کو اپنے مکتبہ تلمذ میں داخل کر لیا۔

اس دور میں علامہ نے قلمی جہاد بھی کیا۔ مسئلہ امکان کذب اور امکان انطیہ کے بطلان پر قلم اٹھایا اور دلائل قاطعہ سے ان کے تار و پود بکیر کر رکھ دیئے۔

چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی رحمت اللعالمین، خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہے، جس پر سلف سے خلف تک تمام اہل ملت کا اتفاق ہے اور ان کے نزدیک

آپ کی تعلیم و تحریک عین ایمان ہے۔ بالفاظِ دیگر ”بعد از خدا بزرگ“ توئی قصہ محققہ پر اکابر امت کا اجماع و ایقان ہے۔ مسئلہ امکانِ نظیر سے اس لازوال عقیدہ پر ضرب پڑتی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاصیت معاذ اللہ محروح ہوتی تھی اس لیے جذبہ عشقِ نبوی نے علامہ کو بے قرار کر دیا۔ علامہ حبیبِ نبوی میں ایسے سرشار تھے کہ تمام زندگی اپنے قصائد میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی کرتے رہے۔ وہ اپنی دیوبند اور اخروی فتاویٰ اور امتیادوں کا مرکز ذاتِ رسالت کو سمجھتے تھے، ایسے عقیدہ کو کیسے برواشت فرماتے جس سے نشانِ رسالت پر حرف آتا تھا۔

سال ہی میں مکتبہ قادریہ لاہور نے ایک کتاب ”استیاذ حق“ شائع کی ہے جس کو علامہ فضل حق کی مجدد و مجددِ اکادمی کی محققانہ تاریخ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ مصنف نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے سلسلہ میں اس موضوع پر بیٹے تاریخی مآخذ و مصادر سے مستفاد کیا ہے۔ مطلوبہ عواد و غریبوں کی باتوں رسالوں اور دست و پیزوں کے عین مطالعہ کے بعد یہ کتاب عدوان کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت نے مجدد و مجددِ اکادمی کی تاریخ کو ایک نیا موڑ دیا ہے اور اس کے وجود پذیر ہونے سے بہت سی حقائق جن پر پردہ پڑا ہوا تھا سامنے آ گئے۔ مصنف کتاب کی منت اور عرق ریزی سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا، بابِ علم اور اصحابِ تحقیق کی جانب سے وہ مبارک ہادسے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ اہل دانش و سنجیدگی سے اس تحقیق پر غور کریں گے، لیکن ابھی ایک بحث تشدد و تحقیق ہے وہ یہ کہ علامہ نے جہاد کا جو فتویٰ تحریر فرمایا تھا اور جس پر دوسرے علماء سے دستخط حاصل کیے تھے اور جو اس تمام ہنگامہ کی بنیاد تھا وہ کہاں ہے؟ جن مآخذ کا حوالہ فتویٰ کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اس میں صرف فتویٰ کا مضبوط درج ہے، لیکن خود فتویٰ کی کیا عبارت تھی اور کن دلائل سے اسے مزین کیا گیا تھا؟ اس کا کوئی نشان نہیں ملتا، اگر اصل فتویٰ نہ مل سکے تو اس کی مستند نقل ہی سے حاجت برآی ہو سکتی ہے۔ اگر وہ فتویٰ سامنے آجائے، تو حق الفین کے قلعے خود بخود مسما رہ جائیں گے۔ امید ہے کہ مصنف کتاب اس مسئلہ کی تحقیق میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف فرمادیں گے۔

حکیم مسعود احمد برکاتی

ہمدرد وکیلٹی، نالسم آباد کراچی ۱۸

راجا غلام محمد صاحب کی کتاب "مقیار حق" اگرچہ مختصر ہے، لیکن اس میں انہوں نے جو مواد جمع کیا ہے، وہ تفصیلی کتابوں پر بھاری ہے۔ راجا صاحب نے مجاہدِ حقیت، جامع کمالات حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے تحفہ علمی اور سرفروشی و جاں سپہی پر جن لوگوں نے نادر و اعلیٰ کیے ہیں یا ان کو اپنے معاصرین سے گرانا پنا ہے، ان کی تردید و تنقید کی ہے۔ اندازِ بیان اگرچہ پُر ہوش ہے، لیکن ان کی باتوں کی پشت پر اہل علم اور مومنین و محققین کے حوالوں کی گواہی بھی ہے۔ کتاب کا بیشتر حصہ علامہ اہل قلم کی تحریروں سے آراستہ ہے۔ راجا صاحب نے جو بات کہی ہے، وہ انہی کی زبان و قلم سے کہی ہے۔ "مقیار حق" کا ایک امتیاز اس کی دلچسپی بھی ہے۔ کتاب کے نام اور موضوع کے لحاظ سے خیال ہوتا ہے کہ خشک تحقیقی کتابوں کی طرح اس کتاب کا مطالعہ بھی فرض اور ناگزیر ضرورت سمجھ کر ہی کیا جائے گا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کا خشکستہ انداز قاری کو اپنے ساتھ خود لے جاتا ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی ان مظلوم مسیحی ملت میں ہیں جن کی بدولت آج ہم آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں، لیکن جن کی عظمت کو چھپانے سے ہم محروم ہیں، بلکہ بعض تاریخ سازوں نے تو اس بانیِ مجددِ آزادی کے روشن کردار کو مسخ کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اگرچہ ان کی یہ احسان فراموشی تاریخ کے کُفرِ زیبائی چمک کو کم نہ کر سکے گی۔ ضرورت ہے کہ مجددِ آزادی کے اس تبارک اور اہم ترین باب کو جس کا عنوان "فضل حق خیر آبادی" ہے، پوری تفصیل و جامعیت، "استناد و تحقیق و فقہ و فرائض" کے ساتھ مدقون کیا جائے۔ راجا غلام محمد صاحب جیسے پُر خلوص اہل قلم یہ کام کر سکتے ہیں۔

پروفیسر عبدالرشید فاروقی

گرینٹ کالج، ساہیوال

تصنیف و تالیف کے میدان میں چند افراد نے اسلام اہل سنت کے ساتھ ہمیشہ برتری میں
کا سا سلوک کیا۔ فرنگی داستانوں پر مشتمل نام نہاد تاریخی واقعات کے ایسے محلات تعمیر کیے گئے جنہوں
نے نوجوان نسل کی آنکھیں چند صیادیں۔ حقائق کی پردہ پوشی کا یہ عجیب و غریب ڈرامہ کافی حوصلہ شکن
کیلا جاتا رہا۔ ساتھ ہی مجھے زیر لب یہ کہنے کی بھی اجازت دیجئے کہ احباب اہل سنت نے بھی اس
معاملے میں کافی بے اعتنائی برتی اور ضرورت سے زیادہ بے فکری کا ثبوت دیا۔ قلم کی ان بے رحمیوں
کا شکاں نہ ہونے والی شخصیات میں سے ایک علامہ فضل حق خیر آبادی بھی ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مصنف نے یقیناً عرق ریزی سے حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ علامہ
فضل حق خیر آبادی کی دینی و ملی خدمات پر پردہ پوشی اور ان کی سیاسی خدمات کو نظروں سے اوجھل
کر دینے کی تمام کوششوں کا ٹھوکہ دراصل خود علامہ فضل حق کا وہ لغو زمانہ تھا جو انہوں نے
مصلحت مبنی کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے لگاؤ جو اسٹیل و عبوی سمیت ان تمام
الزاد کے خلاف تھا جو بعض انگریزوں کی خوشنودی اور اپنے سرکاری وظائف میں بددیوبہ عناصر
کے پیش نظر قرآن و سنت کے واضح احکام کو مسخ کرنے کا مذموم پیشہ اپناتے ہوئے تھے۔

اس مجرم کی ملی بے سزا تیر کے شہر ہیں

کیوں شب کو شب ہی کہتا رہا تیرے شہر میں

فاضل مصنف نے متعدد سوالوں کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ اَلْفَضْلُ مَا شَقَّ حِدَّتْ بِہِ
الْاَحْدَاءِ کے مصداق علامہ فضل حق کا فتویٰ جہاد و انگریزی عدالتوں میں اپنے اوپر لگائے گئے الزامات

کا دلیرانہ اعتراف نہ صرف دہلی بلکہ گھنٹوں میں بھی مسلمانوں کی قیادت و رہنمائی کا رٹے نمایاں کردہ شہادت ہے علامہ فضل حق کی زندگی کے روشن ابواب ہیں جن کا اعتراف ان کے مخالفین نے بھی کیا ہے اور جن کے ذکر کے بغیر تاریخ کی ہر کتاب ادھوری معلوم ہوتی ہے۔

جناب راجا غلام محمد صاحب نے علامہ کی سیاسی مٹی اور دینی استقامت کا جو ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے، اس کے بعد یقیناً ہر قاری علامہ فضل حق کی سوانح حیات کے متعلق بھی مزید کچھ جاننا چاہتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ کتاب کے چند اوراق اس کے لیے بھی مخصوص کر دیے جاتے۔

تقابل جانوس میں مصنف نے مسیکڑوں والہ بات، ٹھوس واقعات اور ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں سہیل دہلوی کی جو تصویر کشی کی ہے اس سے حقیقت حال قارئین کرام کے سامنے آجاتی ہے۔ ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کے فروغ کی راہ کے لیے کربان کا جو فرضی ڈرامہ سہیل دہلوی اور ان کے رفقاء نے کھیلنا، اس سے جو سیاسی مقاصد حاصل کیے۔ پھر اس عیار کی کوہنڈاری اور سرکالبادہ پہن کر جس وسیع تر منصوبہ بندی کے تحت فروغ دیا گیا وہ امت مسلمہ کے ساتھ بڑی عجیب بات ہے۔ حیرت ان لوگوں پر ہے جو فریب اور دغا بازی کے اس پلندے کو بڑا حقیقی گزشتہ اور رمان سمجھ کر پڑھتے رہے۔ مگر مری راجا غلام محمد صاحب لائق صد تحسین ہیں کہ انہوں نے زیر پھر کتاب لکھ کر ایک دینی و ملی فریضہ ادا کیا ہے اور احباب اہل سنت کو دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ اس طرح کی گوربا دشواری کو بے نقاب کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔

مزارِ نوح ہو مین زبانِ ببول کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قلندر کا طریق

کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے سرحد میں سہیل دہلوی کی جو کارگزاری اور ان کی جو اخلاقی حالت بیان کی ہے اس کے بعد یہاں نام نہاد دینداروں کی خدمت میں صرف اتنا بھی عرض کر سکتے ہیں:

یہ مصلیٰ میں جنہیں دیکھ کے شرفائیں بہرہ

پروفیسر ڈاکٹر محبت الحق اعظمی

مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (سماپت)

امتیاز حق کے مطالعہ سے ہر عام قاری کے ذہن میں بھی یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ محض اختلاف مسلک کی بنیاد پر علامہ فضیل حق غیر آبادی کے فطیم کا ناموں کو پس پشت ڈال دیا گیا اور سید احمدیائے بریلوی و شاہ اسماعیل دہلوی کے ۱۹۴۷ء سے قبل تک انگریز دوست ہونے پر فخر کیا گیا اور پھر اس کے بعد انگریز دشمن ثابت کرنے کیلئے مسلسل جھوٹ بولا گیا۔

لیکن چونکہ کتابیں اور چند برسوں میں طبع ہوتی ہیں۔ انہوں نے نام نہاد تخریضیں کی ساری قلعی کھول کر رکھ دی ہے اور اب حقائق کا صحیح رخ عوام و خواص کے سامنے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ ان کتابوں میں امتیاز حق کو نمایاں مقام حاصل ہے اور رامباغلام احمد صاحب واقعی طور پر ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

پروفیسر مسٹر قصوری

گورنمنٹ کالج۔ باغبان پورہ۔ لاہور

میری نظر میں امتیاز حق نہ صرف پُر مغز اور جامع کتاب ہے بلکہ یہ دورِ جدید کے تمام تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ قاری اسے پڑھتے وقت کسی قسم کی آکٹاٹ محسوس نہیں کرتا۔ یہ کہنے کے برابر ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ ایک خالص مذہبی یا خالص تاریخی موضوع

کی کتاب ہے۔ اس کتاب کا اسلوب نہایت شستہ اور ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کی چاروں طرف تسلسل اور مزاحمت بدرجہ اتم موجود ہے۔

اس کتاب کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں امام اہل سنت علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور عامۃ الناس کو ہر دو شخصیتوں کے بارے میں صحیح اور ٹھوس معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر اس سے زیادہ اچھی کتاب کچ نہ ملے گی۔ میرے خیال میں یہ ایک خوبصورت دستاویز ہے۔

امتیاز حق کے نوکٹ را جاننام محمد نے یہ کتاب نظر عام پر لا کر نہ صرف ملی خدمات کا فریضہ انجام دیا ہے، بلکہ بہت انقلابی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں ان کی اس بہت کی داد دیتا ہوں۔ ان کا یہ کارنامہ اہل سنت کے قلبی جہاد کی تاریخ میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ان کے اس عمل سے مددگار ہمیں ہمارے اصلاح کی ترقی، تاریخ کے گم شدہ اوراق کا پتہ چلا ہے، بلکہ غمناک اور نام نہان مسئلوں کی فتنہ پردازیوں کے خلاف کمر بستہ اور صفت آرا رہنے کا درس ملا ہے۔ "امتیاز حق" حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کی حیثیت رکھتی ہے۔

پروفیسر فیاض کاوش

ملک و ملت کی حریت و آزادی کے بطل جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علم و ادب اور تربیت سیاست کے مہر نیم و زردہ خود اپنی ذات میں ایک انجمن ہونے کی حیثیت سے اپنے پورے عہد پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ علم و ادب کا ایک ایسا دار و تحفے جس کا فیض عرفان و آگاہی بعد مرگ بھی جاری و ساری رہے۔ اسی کے فانوسِ علم سے سرسبز اپنی تحریک و اصلاحِ ادب کا چراغ جلائے ہیں اور اسی کے نقد و

نظر کے منادے نور سے رہنمائی حاصل کر کے غالب غالب نظر آتے ہیں۔ ادباً تھے عجب اس کے خوش چین ہیں اور علمائے وقت اس کے عاشق نشین، مومن خان ہوتے اپنے توبہ کے باوجود اس کے بھروسے میں آتے ہیں۔

مزدھنپ ڈھانپ روتے ہیں کس کبھی سے ہم
بادشاہ بہادر شاہ ظفر اس کی پیشوائی پر فخر فرماتے تھے اور علمائے ہندوستان اس کے در کی گدائی پر اترتے تھے۔ اسی ذات والا صفات کا ذکر غیر اس صحیحہ محبت میں ہے۔ مزید یہ کہ اب تک مصوف کے حق میں جو نا انصافیاں ہوتی رہی ہیں، اس کتاب میں ان سب کا تجزیہ کر کے وعدہ کا مودہ اور پانی کا پانی کر دیا گیا ہے۔

تاریخ کا یہ بیت دل گداز پہلو ہے کہ حریت کے اس جاناں سپاہی نے اپنے خون کی سرخی سے ملکی آزادی کے محض نئے پرستہ کیے تھے۔ ابھی اس کی روشنائی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس محسن ملک ملت کے کارہائے نمایاں کو فراموش کیا جانے لگا۔ اس کی علمی کاوشوں پر پروے ڈلے گئے۔ اس کے علمی کا نامور اور

خاک اڑائی گئی۔ دشمنان ملک و ملت کو اس کے مقابلے میں ہیرو بنا کر پیش کیا گیا اور جیوٹ اس قدر تواتر سے بولا گیا کہ جیوٹ ہی سچی نظر آنے لگا۔ اس طرح تاریخ کے دھارے کو اس کے غلات ٹوٹو دیا گیا محض اختلاف عقائد کے سبب۔

کیونکہ وہ عاشق رسول دشمن شہزادوں کا تھا۔ بہر حال جیوٹ فاضل جملت
راجا غلام محمد صاحب کا جنہوں نے صدیوں کا قرض ادا کیا اور بے پائنتوں کو ملت کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا
فاضل مؤلف میدان تنقید کے شہسوار اور بھر تحقیق کے شاد و معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے جانفزاں اور کرتے

ہیں کہ شمع بھی زخم کھا کر مسکرائے، انداز نگارش ایسا دلنشین ہے کہ زہر بھی تریاق بن جاتے۔ اشتہار ایسے
ترغیب دہکے مرغ و ہد میں آ جاتے۔ ایک ایک فقرہ ایسا دل افروز کہ بڑی بڑی ضخیم کتب پر جاری الاریہ
ہر سر غلظت پر دل جموع جاتا ہے لکھنے والے کا قلم چمکنے کو چاہتا ہے۔ زبان کی شیرینی اور بیان کی دلنشینی

اپنا جواب خود آپ۔ اشتہار ایسا جواب کہ لاکھوں میں انتخاب۔ ان کا استعمال ایسا بھرپور کہ گویا
وہ موزوں ہی اسی موقع کے لیے ہوتے تھے۔

اگر ہمارے تمام متنازع مسائل کو ایسا دلکش انداز بیان مل جاتے تو یقیناً ہمارے اکابر کے کارناموں
پر صدیوں کی غلط بیانی کا چڑھا ہوا افسانہ خپٹ جاتے اور ان کی شخصیت کا سورج پوری آب و تاب سے
چمکتا ہوا نظر آتے۔

محمد عبدالشاہ شروانی

امتیاز حق را با صاحب کے تعلق و کلاش کا شاہکار ہے۔ تاریخ تنہا ولیاں نے یہ مسئلہ پہلے ہی صاف کر دیا تھا۔ امتیاز حق نے یہ پہلو بھی صاف کر دیا کہ وہ انگریزوں کے مخالف نہیں بلکہ موافق و حامی تھے۔ ہلر کے دست راست گوئیلز کا قول تھا کہ جسوٹ اتنی بار لو کہ سچ معلوم ہو

جناب نادیم عصری

فائزنامہ نمبر و ماہ لاہور

زیر نظر کتاب امتیاز حق مجددہ ابواب پر مشتمل ہے جس میں پیر حضرت سناون کی جنگ آزادی کے عظیم مجاہد مولانا فضل حق خیر آبادی مرحوم و مغفور کے قابل تقلید کارنامے نمایاں حقائق کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا کی سیرت و کردار کے بارے میں خونِ جگر سے تحریر کردہ مہنی برحقان ہر بعیر از فرغ فقرہ بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ کتاب کا مختصر پیش لفظ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے جسے ایک مستند تاریخی دستاویز کہا جائے تو بیجا نہیں ہوگا۔ قابلِ ملاحظہ ہے کہ مذکورہ کتاب میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولوی اکمل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ نہایت احسن طریقے سے پیش کیا ہے اور اس ضمن میں دینی مسائل کو موضوع بحث نہیں بنایا۔ جو لوگ مولانا فضل حق خیر آبادی سے دینی اور سیاسی اختلاف رکھتے تھے، متولف نے بڑی عرق ریزی سے ان مخالفین کی

لے ملنے کا پتا لکھتے ہوئے یہ مباحثہ رضویہ، لوہاری، منڈی، لاہور

کتاہوں کے اقتباسات امتیازِ حق کے صغوں پر پھیلا دیئے، جن کو باشعور قاری کے علاوہ دورِ جدید کا کوئی بڑے سے بڑا مؤرخ بھی جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

سن متادان کی جنگ آزادی کے ہیرو جنرل بخت خاں سے مل کر مولانا نے سفید قام قوم کے سیاہ دل انگریز باشندوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس جرم کی پاداش میں کالے پانی کی سزا کے مستحق قرار پائے اور جریرہ اندامیان میں اس پیکرِ حریت جید عالم دین نے نہایت کسمپرسی کی حالت میں داعیِ اہل کو لبیک کہی۔ زمانے کی تم غریبی ہے کہ آج بھی مخالفین کا ایک طبقہ جنگِ آزادی کے اس مجاہد کو اچھے القاب سے مخاطب نہیں کرتا اور ان لوگوں کی شان میں تعریفوں کا پل باندھ رہا ہے، جن کا مولانا خیر آبادی کی ذات سے موازنہ کرنا مورخ کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے اس شرمناک کیفیت کو حریت پسند حق پرست انسان مولانا کی روح کے لیے تکلیف کا باعث سمجھتے ہیں اور یقیناً پس مرگ اس عظیم مجاہد کے ہونٹوں پر یہ الفاظ تھرکتے ہوں گے۔

”غیر شئی سیاست دورانِ تو دیکھئے“

منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

ہمدردوں اور آخری باب میں فاضل مولف نے محسوس دلائل اور تاریخی کتب کے حوالہ جات سے مولانا افضل حق اور اسماعیل دہلوی و سید احمد دہلوی کے کردار کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کے بعد ان الفاظ پر اپنی کتاب امتیازِ حق کا اختتام کیا ہے۔

”ان واقعات کی روشنی میں قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ برصغیر کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کس نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ آزادی کی لگن کس کے دل و دماغ میں بھٹی؟ اور کس کا جوہر اور اک انگہ و حکام نے خرید کھا تھا۔“

برصغیر کے مسلم مجاہدین کے بارے میں لکھی گئی ۱۳۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مستند تاریخی کتابوں میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور یہ ناقابلِ فراموش کارنامہ انجام دیتے پر امتیازِ حق کے فاضل مولف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(ماہنامہ مہرِ واد، لاہور۔ اپریل ۱۹۹۷ء)

پروفیسر محمد عظیم بھٹی

گورنمنٹ جنرل اسلام آباد کالج، سیالکوٹ

ہماری قلمی تاریخ کے بہت سے ایسے گوشوں میں جن پر توجہ نہیں کا قلم اُن کے ذال عقائد اور گرد ہی تعصبات کی وجہ سے ہمیشہ خاموش تماشائی بنا رہا ہے۔ ایک گوشہ فضل جن خیر آبادی کے سیرت و کردار و اعمال و افکار اور دینی و سیاسی خدمات کا ہے۔ جس پر انہماک خیال کرنے کے لیے دیکھو دوست کو تا ہی برتی گئی ہے اور خواہ مخواہ ایسے لوگوں کو اس مسند پر بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے جس کے وہ برگز اہل نہیں تھے۔ اس گروہ میں اسماعیل دہلوی اور ان کے دوسرے ساتھی شامل ہیں۔

زیر نظر کتاب امتیاز حق میں رجواجم بامٹھی ہے، پہلی بار علمی دلائل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں ہمارے مورخین کی اس اہم کو تا ہی پر قلم اٹھانے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ان گوشوں کی بطریق احسن نقاب کشائی کی گئی ہے۔ جس سے ملاد فضل جن خیر آبادی کے سیرت و کردار پر بالعموم اور ان کی سیاسی خدمات پر بالخصوص روشنی پڑتی ہے۔ کتاب ایک دینی، علمی اور تاریخی ضرورت کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا بھی ایک عمدہ موقع ہے جس کے لیے اس کے مؤلف راجا غلام محمد بلاشبہ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔

حکیم محمد احمد برکاتی

برکات اکیڈمی - ۲۹۸ - ۷۱ - بلاک ۴ - لیاقت آباد - کراچی

یہ کتاب اپنی شائستگی اور سلاست بیان کے لحاظ سے ایک منفرد اہمیت کی حامل ہے۔ اس انداز سے کتابیں لکھی جائیں تو راجا ب نظر کو متاثر کر سکتی ہیں۔

پروفیسر ولی محمد

گورنمنٹ انہالہ مسلم کالج، سسرگودھا

امتیازِ حق کے فاضل مولف نے بخلِ حریت علامہ فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اسماعیل دہلوی اور اس کے پیرو سید احمد دہلوی کے فرضی جہاد کا بھی تاریخی حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔

میں نے اس کتاب کو بالاحتمال پڑھا۔ فاضل مولف نے مستند تاریخی حوالہ جات پیش کیے ہیں اور ابوالحسن علی ندوی، مسعود عالم ندوی، غلام رسول مہر اور پروفیسر الوب قادری کے تبصیر کے پروگرام کو بے نقاب کر دیا ہے۔

اسماعیل دہلوی اور سید احمد دہلوی کی انگریز دوستی اور فرضی جہاد پر تصور کرتے وقت ایک شخص کی حیثیت سے فاضل مولف نے ان کی ذاتی تحریروں، ان کے ہم عقیدہ علماء اور ہم عصر لوگوں کی تحریروں کو پیش نظر رکھا ہے۔ میرے نزدیک ہر اس شخص کو اس کتاب کا مطالعہ ضروری کرنا چاہیے جو تاریخی حقائق کو جاننا چاہتا ہے۔

میاں عبدالرشید

کالم نگار، نور بعیرت، روزنامہ تولدے وقت لاہور

شاہ اسماعیل دہلوی معروف شخصیت ہیں مگر مولانا فضل حق خیر آبادی کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے، حالانکہ آپ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے ہیرو تھے۔

انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ آپ کے ایماء پر تیار ہوا اور اس پر آپ کے دستخط تھے۔ کردار اتنا بلند تھا کہ اس مجرم کی بادشاہ میں جب مقتدر پہلا تو گواہ اسے ثابت نہ کر سکے مگر مولانا نے خود اس کا اعتراف کر لیا اور اسی حق گوئی کی بنا پر انڈیمین سمیجے گئے، اور وٹمن وفات پائی۔ تقدیریت کے لحاظ سے ان کے مقام کا اندازہ اسی ایک بات سے کیا جاسکتا ہے کہ غالب جیسا، بغیر روزگار جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، آپ کا قدم ان تھا اور شعبہ میں آپ کی اصلاح اور مشورے قبول کرتا تھا۔

- زیرِ نظر کتب نہایت تحقیق سے مستند حوالوں کی بنا پر لکھی گئی ہے۔ اسلوب تحریر شگفتہ اور حوالہ ہے۔ جا بجا موزوں اشعار گینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ بات چے تلے الفاظ اور پُر زور انداز میں کہی گئی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۷۹ء)

حافظ مظہر الدین مرحوم

راولپنڈی

”امتیاز حق ایک عزیز کے توسل سے ملی جس نے مجھے غایت درجہ متاثر کیا ہے۔ قلمی و مالی جہاد کے عوض میں اگر سنت مل سکتی ہے، تو آپ فاضل اور معتمد محرم نہیں رہیں گے۔ مسحتف کو میرا سلام نیاز پہنچا دیجئے“

محمد عاصم اعظمی

(ایم۔ اے (مہارت)

زیر نظر کتاب امتیاز حق پاکستان کے مشہور قلم کار راجا عاصم محمد صاحب کی معتد بہ تصنیف ہے جس میں آپ نے تاریخی خیانتوں، نا انصافیوں اور حق و صداقت کے برعکس قتل عام کی روش پر کھڑی ضرب لگائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسماعیل دہلوی اور مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کو تارکین کی میزبان عدل پر رکھ کر یہ اعزاز کریں کہ وطن دشمن کون تھا اور وطن کا سپنا شیدائی کون تھا؟ بالاکوٹ کے محاذ پر انگریز آقاؤں کے ایمار و اشارے پر اہل وطن کو ذبح کرنے والے کون تھے؟ اور ۱۸۵۷ء میں انگریزی سامراجیت کے خلاف مجاہدوں کی صفیں درست کرنے والا کون تھا؟ راجا صاحب کی تاریخی حقائق پر مبنی یہ کتاب ایسا صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں حقیقی مجاہدین آزادی اور نام نہاد و خزینت پسندوں کے چہرے کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

راجا صاحب نے اپنی کتاب میں ایک باب انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد قائم کیا ہے اور حقائق و معارف کی روشنی میں انفرادی و انفرادیوں کی خوب قلبی کھول ہے۔ تلاحش و جستجو کے نتیجے میں انہوں نے معتبر و قابل قلم کے ایسے اقتباسات حوالوں کے ساتھ پیش کیے ہیں جن سے محمد علی قادیانی، ملک رام اور دوسرے ارباب قلم کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا پردہ پیاک ہوتا ہے۔ مشہور ناقد و مؤرخ مولانا عبد السلام ندوی کی کتاب حکمائے اسلام معلوم کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں جس میں مولانا ندوی نے حضرت علامہ کی شجاعت و ہوا نمداری اور فتوے جہاد کا اقرار ان الفاظ میں کیا ہے ”ان تمام مناصب جلیلہ کے بعد مولانا کی دینی آزمائش کا وقت آیا اور غریہ ۱۸۵۷ء کے بعد مولانا بھی باقی قرار دیے گئے۔ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری بافتوے جہاد کی پاداش یا

جُرمِ بغاوت میں مولانا فاخودہ کو کسپتا پور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا تو برطانوی کے بہت سے اہل باب اگرچہ پیدا ہو گئے تھے، لیکن مولانا نے خود فتویٰ کی تصدیق نہایت جرأتِ ایمانی سے کر دی، اس لیے جمہور دینیائے شہر کی مساعی ہوئی اور وہ جزیرۃ انڈیا میں ریمانڈ کر دیے گئے؟

(حکمائے اسلام جلد دوم، صفحہ ۳۳۲، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ)

”ابا صاحب کی حقیقت افروز کتاب نے اہل دیوبند کے اس شیش محل کو پاش پاش کر دیا ہے جس میں بیٹھ کر وہ اپنے اکابر کے انگریز سامی سیاسی کرداروں کو چھپاتے ہیں اور اہل حق مجاہدین آکڑی کے روشن و تابندہ کرداروں کی اجیت و حقیقت کو ختم کرنے یا اسے گھٹانے کی ناکام کوششیں کر رہے ہیں۔“
(ماہنامہ فیض الرسول، براؤن شریف، سہارن - نومبر ۱۹۸۱ء)

پروفیسر محمد حسین آسٹی

گورنمنٹ جنات اسلامیہ کالج - سیالکوٹ

جب بزمِ صغیر کی سبزی میں من کے بالے تن کے گورے افرجیوں کا وودو ناسعود ہوا شاطر افرنک نے اپنے ناپاک مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے ملتِ اسلامیہ کا داہی انتشار ضروری سمجھا۔ کھلم کھلا دشمنِ اسلام ہونے کی حیثیت سے اُس کے لیے ایسا کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ پس منظر میں رو کر کسی بکاؤ مال کی تلاش میں تھا۔ ستم ظریفی حالات دیکھتے کہ قرصِ فال اہمیل دعوٰی کے نام پڑا۔ یہ وہی اہمیل صاحب ہیں جو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے اور فخر المحدثین شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے تھے۔ یہ ایسے ”بندۂ تسلیم و رضا“ ثابت ہوئے کہ جہاں انہیں خوشنما آقاؤں نے لڑانا چاہا، یہ لڑے اور جہاں سے کھلانا چاہا، انہیں گئے۔ تازہ مذاؤں کو خوش کرنے کے لیے کہیں انہوں نے جہاد کا مفہوم بدل دیا، تو کہیں ولی سے پشاور تک شہرِ محال کیا اور کر دیا۔ یہ اسی وفاداری بشرطِ استواری

یا نتیجہ تھا کہ آخر انہی کی راہ میں جان عزیز کی بازی ہلک لگا دی۔

ان کے برعکس وہ علمائے حق بھی تھے جنہوں نے اسلام سے مرزا مٹرا، دشمنانِ ملت کے آلہ کار بنے۔ مولانا فضل رسول جالوی، مولانا فیض احمد جالوی، حضرت کاشی مراد آبادی اور مولانا امام بخش مہربانی جیسے لوگ اپنی متبع حیات کو عظمت دین کے لیے وقف کیے ہوئے تھے اور انہوں نے آخر تک حکم حق بلند کیے دکھا۔ شیرِ اسلام مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ اسی کاروانِ حق کے سالار تھے جنہوں نے انگریز کے خلاف بڑی بلند آہنگی سے فتویٰ جہاد دیا تھا۔

دونوں گروہوں کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق تھا، مگر پُر اسوہ اندیشی شخصیت پرستی کا جودن کے اُجالوں کو رات کے اندھیا رے اور رات کے اندھیاروں کو دن کے اُجالے قرار دینے سے نہیں چوکتی۔ مورخین کے ایک خاص ترشیت یافتہ ٹولے نے اپنی خاص مصلحتوں کے پیش نظر انگریز پرست اسماعیل دہلوی کو شہیدِ اعظم ٹھہرایا اور فضل حق خیر آبادی سے بالکل ضد کرنا فی اختصار کیا۔

زیرِ نظر تالیف اسی پوری کو جو دراصل سببِ زہری کے مترادف ہے، فاشگان کرنے کے لیے عرضِ تحریر میں آئی ہے محققِ فاضل رام بانہ لام محمد صاحب نے قابلِ ترویج تاریخی دلائل سے مجرموں کی نشان دہی کر کے اہل حق کی عظمت کو ہارسے پردہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے واقعی شہیدِ فیصل الافرنجی کی قلعی کھول کے رکھ دی ہے۔ دشمنانِ ملت کے ذکرِ مخوس سے جس نشی کا خدشہ ہے اسے ان کے جبرست اشعار اور زورِ بصورتِ ترکیب نے دور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اندازِ بیان نہایت شگفتہ اور دل آویز ہو گیا ہے۔

مگر عن دشمنین کے ظلمت کدے میں آواز دہ حق بلند کرنا فی الواقع کوئی عظیم کارنامہ ہے تو بلاشبہ رامبا صاحب نے یہ حسین کارنامہ سر انجام دیا ہے۔

سید یعقوب علی شاہ

سابق پرنسپل کینٹ پبلک سکول مردان (سرحد)

راقم الحروف نے امتیاز حق کا مطالعہ کیا اور تصویر کے دونوں رخ دیکھے۔ علامہ فضل حق فریاد کی کاجبادہ کر دار اور مولوی اسماعیل دہلوی کا انگریز کی حمایت و سرپرستی میں جباؤ۔ ہر دو امر ایسے تھے جنہیں تاریخی دلائل و شواہد سے حوام و خواص کے سامنے لانا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ جناب راہبا غلام محمد صاحب صدرا دارۃ البطل بالطل لاہور کو جو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے پوری دیانت و یاری سے حقائق کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے۔

شہید سید گوہر

ایڈیٹر "آئینہ مہار کپور" جہالت

"امتیاز حق" پاکستانی عالم اور قلم کار جناب راہبا غلام محمد صاحب کا ایک معلوماتی جامع اور عقلی علمی شاہکار ہے۔ علامہ شاہ فضل حق خیر آبادی اور سید احمد رائے بریلوی و اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ جس عرق ریزی اور محنت و کاوش کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ لائق تحسین و افریقہ قابل فخر ہے۔ تاریخی حقائق و شواہد اور بے شمار حوالہ جات کی موجودگی میں "امتیاز حق" کے قارئین کرام سید احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی فرسٹی نواز طبیعت کی پراگندگی پر یقیناً حیرت منگیں گے اس سلسلے میں موصوفین اپنے ہوں یا غیر ان حقائق کی اعترافی تحریر امتیاز حق میں ہر جگہ ملے گی۔ انہی حوالہ جات کی بنیاد پر راہبا صاحب کی پر خلوص کاوشوں کو خارج عقیدت پیش کیا جا سکتا ہے۔

قلم کے سلسلے میں راجا صاحب کی اس کامیاب کوشش کے بعد ان سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ امتیازِ سخن کا پہلا ایڈیشن پاکستان میں شائع ہونے کے بعد دوسرا ایڈیشن الجمع الاسلامی مبارک پور، اعظم گڑھ یو پی نے بھی شائع کر کے اپنے اشاعتی مشن کی روشنی میں ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، بھارت - اکتوبر، نومبر ۱۹۸۰ء)

پروفیسر آفتاب احمد نقوی

گورنمنٹ عفر علی خاں کالج، وزیر آباد

ہماری قومی زندگی میں یہ ایک بہت بڑا المیہ رہا ہے کہ ہمارے اکثر و بیشتر مؤرخین نے تاریخ نویسی جیسا اہم ترین فریضہ سرا انجام دیتے وقت موجود ٹھوس تاریخی حقائق کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے عقائد و نظریات کو بنیاد بنا کر فیصلے کرنے کی کوشش کی ہے، جس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ تاریخ منصفانہ انداز کی بجائے یک طرفہ کارروائی کے طور پر ہمارے سامنے آئی اور وہ لوگ جن کے تحریف کو ذاتی عقائد کی بنا پر اختلاف تھا، ان کے کاربائے نمایاں کو یا تو غلام کرنے سے دانستہ گریز کیا گیا یا پھر ان کے میرٹ و کردار کو سچ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ کچھ یہی صورت حال ۸۵۷ء کی جنگ آکادوی اور اس کے بعد کے واقعات سے متعلقہ شخصیات، جن میں مولانا فضل حق خیر آبادی کا نام سرفہرست ہے، کے متعلق پیش آئی۔ زیر نظر کتاب امتیازِ سخن میں آپ ہی کی میرٹ و کردار اور مذہبی و سیاسی کاربائے نمایاں کا تقابلی جائزہ شاہ اسماعیل دہلوی کے میرٹ و کردار کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ کتاب کے مولف راجا غلام محمد صاحب کے نقطہ نظر سے اگرچہ اختلاف ممکن ہے، لیکن ان کی اس کاوش کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے جو انہوں نے تقریباً ایک صد کتب و رسائل کے مطالعے کے بعد تحریر کی ہے اور غرض یہ ہے کہ تمام تجاویز باقی

کتب انہی لوگوں کی تحریر میں جو اسماعیل دہلوی کے عقائد سے متفق تھے۔ تحریک پاکستان اور برصغیر کی سیاسی و مذہبی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔
 امام قادری کے ذوق مطالعہ کے پیش نظر کتاب میں جابجا خوبصورت اور بر محل اشعار کے مستعمل
 سے کتاب کی افادیت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

(ماہنامہ مکتب، لاہور۔ جنوری ۱۹۸۰ء)

سید لطاف علی بریلوی مدبر اعلیٰ سماجی "اعلم کراچی"

سیکرٹری آل پاکستان لکچریشنل کانفرنس، کراچی

آپ نے ایک نہایت اختلافی مسئلہ پر بڑی تحقیق سے کام لیا ہے اور کتاب میں ایسا مواد
 جمع کیا ہے جو عام طور پر لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔

افتخار احمد قادری

المجمع الاسلامی، مبارک پور (بھارت)

"امتیاز حق" ایک تہنک خیز اور انقلاب انگیز کتاب ہے۔ قصر باطل کے لیے زلزلہ اور عمل
 امییلیت کے لیے طوفان ہے۔ وقت کی یہ ایک اہم ضرورت تھی، جس کا احساس ایک نمبر دست
 "راہانے کیا اور ایک عظیم تعاون تھا جسے پورا کیا گیا۔ اس کتاب میں جس حقیقت سے مواضع فراہم کیا گیا ہے
 وہ جس اسی کا حصہ ہے۔ اسے وہ بھی پڑھے گا جو رد کے موضوع پر کسی کتاب کو ہاتھ بھی لگانا نہیں چاہتا
 نہیں، بلکہ کوسے گا جو منظرانہ انداز سے گھبراتا ہے، اسے اہل حق بھی پڑھیں گے اور اہل

باطل بھی۔ اسے مذہب سے دلچسپی اور گہری مابین رکھنے والے بھی پڑھیں گے اور وہ بھی پڑھیں گے جو فکر و شعور کے حامل ہیں اور اس سے وہ بھی استفادہ کریں گے جو اپنے آپ کو غیر جانبدار بناتے ہیں۔ اور سب کو اس سے کچھ نہ کچھ روشنی ملے گی۔ یہ کتاب مینارۃ الرشاد ہدایت بھی ہے اور اپنے زعم میں بخود کو تاریخ کا بیڑہ اٹھانے والے سمجھتے ہیں ان کے لیے تازیانہ عبرت بھی۔ یہ کتاب ان کی تائید و تکرار کے لیے ایسا گٹھ جوڑ ہے جس کا جواب نہیں۔ آپ کو اس عظیم اجتہادی کاوش پر الجمع الاسلامی کے تمام کارکنوں کی طرف سے مبارک باد۔ رت قدر آپ کو اس کا بھرپور صلہ رحمت فرماتے اور اس کو سامانِ نجات بناتے۔ آمین!

پروفیسر وقار حسین طاہر

گورنمنٹ سرسید کالج، گجرات

امتیازِ حق و باطل کے سلسلے میں راجا غلام محمد صاحب کی تصنیف "امتیازِ حق" جو مولانا فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ بلاشبہ ایک بصیرت افروز تحقیقی مقالہ ہے جس کی ترتیب و تدوین مستند تاریخی حوالوں سے انتہائی مدلل و انداز میں کی گئی ہے۔

یہ کتاب بڑا سائنس ہے کہ اسماعیل دہلوی اور منیا احمد دہلوی ایسے صاحبِ علم کے اصل کردار کے متعلق مسلمان ہندو پاک بہت کم یا کچھ بھی نہیں جانتے اور اس سے بھی بڑا المیہ تو یہ ہے کہ وہ دیکھے شد کے پار کسمپرسی کے عالم میں وفات پا جانے والے جید اور مہذب عالمِ دین علامہ فضل حق خیر آبادی جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا، ان کی عظمت کے متعلق بھی لوگ لاعلم ہیں۔ افسوس کہ ایسے کئی واقعات جن کے پس پردہ برطانوی سامراج کا مکر و ہمت، ابھی تک لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔

تاریخ کو جان بوجھ کر کھینچا گیا اور فرزندِ ان توحید جنہوں نے فی الواقع نظامِ انگلیشیہ کا مستبد کیا، عوام کی نظروں سے اوجھل رہے اور وہ لوگ جنہوں نے سرکارِ انگلیشیہ سے معاملاتی رویہ اور سوشل بائیو سسٹم رکھا، انہیں ہر طرح سے دنیاوی سرفرازی ملی۔ الجھاد اُس وقت پیدا ہوا ہے :

بہ نامِ خدا و انشور اور ذی شعور لوگ اپنے تعصبات کی روشنی میں ایسے لوگوں کی غلطیوں کے گمراہی میں آئے ہیں اور اس طرح لوگوں میں ابہام کی ترویج کا باعث بننے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کو تعصبات، فرسودگی اور انسانی مسائل سے آلودہ کرتے ہیں۔

جناب محمد طفیل

ایڈیٹر ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد

زیرِ مرقع کتاب برِ عظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے اس دور سے بحث کرتی ہے، جب مغلیہ سلطنت دم توڑ رہی تھی اور انگریزوں نے اس عظیم خطہ میں اپنا تسلط جما رہے تھے۔ افراتفری اور طوائف الملوکی کا دور ایسا ہوتا ہے کہ جمیعتِ یحییٰ جی ہوتی ہے اور منتشر گردہ اپنا اپنا ماگ الاپ رہے ہوتے ہیں اور جو قومیں اقتدار کی گھات میں ہوتی ہیں، وہ منتشر گردہ ہوں کو باہم لڑا کر خود مستبد اقتدار پر براجمان ہو جاتی ہیں۔ ایسا ہی رویہ انگریزوں نے اختیار کیا اور برِ عظیم میں بسنے والی مختلف اقوام کو آپس میں لڑایا جس سے ایک جانب تو ان کی توجہ انگریزوں کی ٹیغا رے سے مٹ گئی اور دوسری طرف باہم لڑا کر وہ کمزور ہو گئے، یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔

تاہم مصنف کے اپنے خیال کے مطابق اس کتاب کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا انیسمل دہلوی مولانا سید احمد بریلوی کی دینی، ملی، سیاسی اور تحریکِ پاکستان کے تعلق سے خدمات کا موازنہ کیا جائے اور مصنف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا فضل حق خیر آبادی دین و ملت اور امتِ مسلمہ کے سچے شیعہ لائق تھے، جبکہ مولانا اسماعیل دہلوی اور مولانا سید احمد بریلوی

اگر یہ جہاد کرتے رہے، لیکن وہ بالواسطہ بالواسطہ انگریزوں سے مراعات یافتہ تھے جس کے ثبوت میں انہوں نے باج بادل حوالے پیش کیے ہیں۔

اس کتاب کی تصنیف سے جناب راجا غلام محمد صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دورِ حاضر کے بعض تاریخ نگار جیسے مولانا غلام رسول مہر اور جناب محمد انور قادری صاحب نے حقانی سے صرف نظر کر کے مولانا فضل حق کی حیثیت گھٹانے اور دوسرے دوقول علیہ کی طرف داری کر کے انہیں بلند مقام دلانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ کتاب کا پہلا حصہ اس امر سے بحث کرتا ہے کہ چنگیز آبادی (۱۵۵۸ء) میں مولانا فضل حق خیر آبادی نے کیا کاراد کیا۔ فاضل مصنف نے علامہ خیر آبادی کے فتویٰ جہاد دیگر مسامحی بہادر شاہ ظفر سے مشاورت اور حالات میں ان کی حق گوئی منظرانہ تسلیم ہو کر دریائے شند اور وہیں قید و بند میں ان کی وفات کا ذکر کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ خیر آبادی ملتِ اسلامیہ کے بھائی و خواہ اسلام کے نڈر سپاہی اور بھائی کو مجاہد تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ خیر آبادی کی خدمات لائقِ تحسین رہیں۔

کتاب کا دوسرا اہم حصہ اس موضوع سے بحث کرتا ہے کہ مولانا شاہ اسماعیل اور ان کے رفیق کار مولانا سید احمد بریلوی کا کردار مشکوک سمجھا جاتا رہا اور عویسہ بعد میں حملے کے وقت ان کے صحت مند ان کے کردار اور آخر تک جہاد کوشش کی نگاہ سے دیکھی گیا۔ انہیں انگریزوں کے جاسوس اور اسلام سے منحرف سمجھا گیا اور اس کے ثبوت میں انہوں نے معاملہ کتاب کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔

ہمدردی رائے میں جس موضوع پر فیضی کتاب نگار نے قلم اٹھایا ہے، وہ بہت اہم ہے اور اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے کردار اور اعمال کا بے لاگ جائزہ لیں اس اصول کی حیثیت نظر کر کے کہ جب زیرِ مصلحت کتاب پڑھتے ہیں، تو اس سے ایک پہلو تو عیاں ہوتا ہے لیکن دوسرے نقطہ نظر کی وضاحت نہیں ہوتی، تاہم بڑے عظیم میں مسلمانوں کی تاریخ کے ایک اہم دور سے یہ کتاب بحث کرتی ہے اور محققین کو مواد پیش کرتی ہے کہ وہ اس موضوع پر اس پہلو سے بھی غور کریں تاکہ حقانی ملک پہنچنے میں مدد مل سکے۔

علمی موضوعات پر قلم اٹھاتے وقت ایسی زبان استعمال کی جائے جس سے یہ حیاں دہر کر کسی پر حملہ کیا جا رہا ہے یا کسی کی پٹری اچھالی جا رہی ہے، تو بحث زیادہ موثر اور مفید ہوتی ہے جبکہ امتیاز حق میں اس امر کی شدت سے محسوس ہوتی ہے تاہم ۱۹۵۷ء اور اس سے قریبی دور کے سیاسی فکری حالات پر مشتمل یہ کتاب مطالعہ پاکستان کے لیے مفید ہوگی۔ علامہ خیر آبادی کی منتظر کا احترام بھی ہو سکے گا۔

معصفت نے مجاہد اشعار بھی اس کتاب میں نقل کیے ہیں۔ بلاشبہ اشعار کی اپنی افادیت اور حیثیت ہے، لیکن سنجیدہ موضوعات پر قلم اٹھاتے وقت اشعار کا سہارا لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا جبکہ بعض اوقات ایسا کرنے سے موضوع سے انصاف نہیں ہوتا، اس لیے سنجیدہ تحریروں میں اشعار کی بجائے قوی اور مضبوط دلائل پیش کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

(ماہنامہ منکر و نظر، اسلام آباد - جنوری ۱۹۸۰ء)

جناب حاجی احمد مجاہد

ہفت صفحہ افق، کراچی

محترم راجا غلام محمد پوری پاکستانی قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس نام نہاد گروہ کے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے، بلکہ امتیاز حق پر جو کاسم یا سنی کتاب ہے، کے ذریعے لطل حریف شہید انڈیرمان علامہ فضل حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا جس محققانہ انداز میں تقابلی جائزہ پیش کیا ہے، اس سے متعلق پڑھنے والے پر دے اٹھ چکے ہیں اور تحریک آزادی کے حالات و واقعات اور پس منظر کا نقشہ انکھول کے سامنے آگیا ہے۔ یہ کتاب ایسی تصویر ہے جس سے تمام چہرے بخوبی پہچانے جاسکتے ہیں کہ کون کس کب پ میں تھا اور کمر ماتمہ ۱۔ ۵۵ء نادر اور تاج، کتب کے سٹیٹوں حوالوں سے راجا غلام محمد نے ایسی کتاب

مولانا محمد عبد المنعم ہزاروی مرحوم

اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے اور ایک ایسی سازش کا پردہ چاک کیا گیا ہے جس کا نانا بانا گزشتہ ایک صدی پر محیط ہے۔ مصنف نے مجاہد تحریک آزادی ۱۸۵۷ء، علامہ فضل حق خیر آبادی اور ننگ، اسلاف مولوی اسماعیل دہلوی کے سیاسی کار کا مقابل کیا ہے اور ناقابل تردید حقائق و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ علامہ خیر آبادی نے ملت و مذہب کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا اور اسماعیل دہلوی نے ملت کش کارول ادا کیا۔ آدمی جس کتاب کو ایک نشست میں ختم کر لے اور پھر بار بار پڑھنے کو جی چاہے، یقیناً وہ کتاب اور صاحب کتاب دونوں عظیم ہوتے ہیں اور اس بڑے آسمان تلے ایسی کتابیں بھی موجود ہیں۔ یہ بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے جو لگ بھگ ۱۰۰ کتب کا مجموعہ ہے۔ زبان و بیان انتہائی شگفتہ اور شگفتہ۔

(ماہنامہ ترجمان اہل سنت مکرچی - مئی، جون ۱۹۷۹ء)

پروفیسر شاہین ملک

پکڑالہ ہاؤس، ۵۹-سی۔ اعوان کالونی۔ ملتان روڈ، لاہور

(پہچانی مہین)

انتیاز حق کتاب وچ جموٹ کج دانٹا راکھن سولیاں نال کیتا گیا اے۔ شاہ اسماعیل تے مجاہدان دی تحریک داسجھاٹا پھوڑویاں ایہ شہرت کیتا گیا اے کہ ایہ جہاد بدیسی حاکم انگریز دے وردھہ اکا نہیں سی، سگوں انگریزاں دی راہ وچ دڈی دیسی طاقت، پنجاب دے سکھناں دے خلاف

مرتب کی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے جو مستند بھی ہے اور زبان و ادب کا لازوال خزانہ بھی۔

موضوع کی مناسبت سے بلکہ جگہ ہوا شعاریہ گئے ہیں، انہوں نے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشعار خاص طور پر اسی لیے لکھے گئے تھے۔ نامہ صاحب کو زبان و ادب پر مکمل طور پر حاصل ہے۔ انہوں نے حوالوں کے قطرے جس محنت اور حرق ریزی سے جمع کیے ہیں، وہ اس کتاب کی صورت میں ایسا سیل رواں بن گیا ہے جس نے نام نہاد غرضین کی ۳۰ سالہ کاوشوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ کتاب اتنی دلچسپ ہے کہ ایک ہی نشست میں پڑھی کتاب ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ کتاب اشتقاق حق اور ابطال باطل کا بہترین نمونہ ہے۔ مخالفین اس کتاب کی اشاعت پر بہت چرچا مچا ہوا ہے، مگر اس کا جواب لکھنا ان کے بس کا رنگ نہیں، کیونکہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ خود ان کی تحریروں کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ہر فرد کو پڑھنی چاہیے۔ خاص طور پر طلباء کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہر لائبریری میں اس کتاب کا موجود ہونا ضروری ہے۔ (بہشت، روزہ آفتی کراچی - ۲۷ اگست تا ۹ ستمبر ۱۹۷۹ء)

صاحبزادہ محمد محبت اللہ نوری

بصیر لوہہ (داکا ڈھ)

یہ بات کتنی روت دہا ہے کہ آٹھ کا درسی نصاب ابن الوتھون کو تنگ آزادی کا بیج بن کر پھیل کر رہا ہے۔ نئی نسل بہک رہی ہے، اُسے یہ کیا یاد رہا ہے۔

تیر فک کتاب میں اسی تنگ آزادی کے دو مشہور اور مضحکہ خیز حوالوں (مولوی اسماعیل طوسی اور مولانا فضل حق خیر آبادی) پر چٹھن کیجٹ کی گئی ہے۔ فاضل عزت نے دو دو کا دو دو اور چٹائی کا

پانی کر دکھایا ہے۔ مطالعہ سے چٹا چلن ہے کہ ایک کدو اور سچول ہے تو دوسرا کاشا۔ ایک کھجور میں بیہوش کر
ختم کرتا ہے، تو دوسرا انگریزی منہ خالے کی دلیز پر سجدہ ریز ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ مصنف بالکل غیر جانبدار ہے میں ان کا قلم حقائق کی روشنی میں اپنی راہ
خود متعین کرتا گیا ہے۔ عقیدت کی تند و تیز موجوں میں نہ بہا ہے نہ ادھر بھکا ہے نہ ادھر ٹسکا ہے
اس دور میں درسی نصاب تیار کرنے والے مصنفین دُور نہیں کہ انہی حقائق کے پیش نظر
اب کام کرنا ہو گا۔ موزن سے ہٹ کر ایک عام پاکستانی کو بھی حقائق سے خبردار رہنے کے لیے
اس کتاب کا مطالعہ بار بار مطالعہ ضروری ہے۔

(مجید نور الجمیب بصیر پور۔ ضلع اٹکڑہ)

جناب اختر شجاعیہا پیروی مظہری

معرفت اہل بگ پور۔ آرائے بازار لاہور چھاؤنی

آپ نے ایسا موضوع اختیار کیا جو ان کل شجر ممنوع بنا ہوا ہے اور کسی بھی اختلافی عنوان پر لکھنے یا
بولنے والے کو نظر استعساں سے نہیں دیکھا جاتا، کیونکہ قلم زیادہ تر دشمن عناصر کے ہاتھوں میں رہا ہے اور
انہوں نے صداقت و انصاف اور دین و دیانت کا حق کرتے ہوئے رہزنیوں کو تقدس کا بڑا ٹوکہ دینا
کو مزین بنا کر رکھنے کا اس حد تک التزام کیا کہ اپنی تمام صلاحیتیں اسی مقصد کے حصول کی خاطر واہ پر لگا دیں۔
ایسے ہمسامہ حالات میں آپ انصاف کو تلاش کرنے کی خاطر کل کھڑے ہوتے اور تاریخ کی لٹیف
پریشاں کو سوار کرنے کا مستمّر ارادہ کر بیٹھے۔ اس موضوع پر اگر کوئی انصاف و دشمن قلم کار غلام فرسان کی رائے
دے آپ کی طرح حقائق کو کبھی منظر عام پر نہ لائے، بلکہ حقیقتوں پر تدریج پر دے ڈال دیتا ہے حال اس خشک
موضوع کو خوب نچایا، موضوع کی خشکی کو دلچسپ شعروں کی تری سے خوش گوار کیا، انصاف کی ملامت سے
اس کھاری پانی کو شیرہ جال بنا دیا، یہ ناچیز جب امتیاز حق پڑھنے لگا تو ایک ہی نشست میں پوری کتاب

سی۔ اس تحریک قوں انگریزاں نے ہر طرح دی امداد دی دتی سی۔ انجی ایہ کتاب اپنی تادیخ
قوں نویں سریوں کر چکھن تے پرکھن دی دعوت دیندی اے، ہال جوتی کج تے جھوٹ دکھ دکھ
برجباوے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی ہاں ساریاں مٹاں منی لوگ نہیں پر جھباہاں
ہاں برسم دے کھیتی ثبوت پیش کر کے اذہاں دی اصلیت قوں نکال کرنا جرات تے بہت
دائم اے، جو اس کتاب نے کرو کھایا اے۔ البتہ بیان واڈھنگ بوہتا متکبرانہ تے
فرقہ دارانہ اے۔

المجمع الاسلامی (اسلامی اکیڈمی)

مہابک پور۔ اعظم گڑھ۔ یوپی (بھارت)

امتیاز حق کا دوسرا ایڈیشن المجمع الاسلامی مہابک پور نے شائع کیا
تھا اس کے اختتامیہ کے طور پر ادارے کی طرف سے یہ تحسیر پیش کی
گئی تھی۔

امتیاز حق راہ غلام محمد لاہور کی ایک ایسی گراں قدر تصنیف ہے جس میں علامہ فضل حق خیر آبادی
اور شاہ اسماعیل دہلوی کے سیاسی کردار کا تاریخی جائزہ پہلی مرتبہ اس دیانت و انصاف کے ساتھ اہل علم
کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ وہ حقائق و واقعات کی تزئین کر صحت اور سچے نتائج اندر کر سکیں۔ ایک
مدت سے یہ رزم چلی آرہی ہے کہ صحت و قبح اور نیک و بد کے بجائے اپنے اور بیگانے کا امتیاز کر کے
تاریخیں بنائی جا رہی ہیں اور عقل و دیانت کے خلاف روایتوں کا اختراع کر کے آپ کو مریدان ثابت
کرنے کی شب و روز کوششیں کی جا رہی ہیں، لیکن فاضل معصفت نے یہ کتاب لکھ کر ایسے ہم نوا و مؤمنین
کے دُش سے تعاب اٹھ کر انہیں اندر کر کچھ دیکھنے سننے پر مجبور کر دیا ہے اور ناقابل تردید تاریخی دلائل و ثبوت
کے ساتھ یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی تحریک آزادی ہند کے اولین قاتلوں اور

رہنماؤں میں ایک مغرور مسافر مقام کے مالک میں اور ان کے چس شہ اسٹیل دہلی اسٹریٹوں کے
بھی خواہ اور ان کے ہمیشہ ففاوارہ ہے ہیں اس لیے سکھوں کے خلاف ان کے جنگ و جدال کو کچھ آڑ دینا
مند کا جہاد اور کوئی جہاد قرار دینا ایک تاریخی خیانت ہے۔

راما غلام محمد صاحب کو ہم پرنسٹونس خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک نہایت
ضروری موضوع پر قلم اٹھا کر تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ یقین ہے کہ ان کی یہ کتاب ہزاروں طلباء حق
کے لیے مینارۂ رشد و ہدایت ثابت ہو کر عوام و خواص ہر ایک کے لیے زیادہ سے زیادہ سودمند اور
نتیجہ خیر ثابت ہوگی۔



○

- سنی لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے لیے ہم سے رابطہ قائم کیجئے !
- بشیر اور قصبہ میں کتب خانے قائم کر کے سنی لٹریچر پھیلایئے !
- میلاد پاک گیا۔ جوین شریف اور اولیائے کرام کے مبارک عرسوں پر بطور تبرک سنی لٹریچر تقسیم کیجئے !
- اپنے وصال یافتہ بزرگوں کے لیے سنی عقائد کی کتب برائے افعال و تقابض تقسیم کیجئے
- خط و کتابت کے وقت اپنا نام اور پتہ واضح شمس خط لکھیے !
- محنت تقسیم کرنے والوں کو خصوصی رعایت دی جائے گی ۔

العقد النائی

علی

الحجائی

بدینہ ۴۰/۱۰

بلفاضل العلامة محمد حمی بن عبد اللہ الاکبسی الرومی

(الترقی ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹م)

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لاہور دارالاسلام

۳۰۵۰ مہیات مولانا احمد رضا

۲۸۶۰۰ ہاشمی بندہ وستان

سکول کے طلباء کے لیے

۱۸۰۰۰ برہنہ اسلام پٹی جی سے

۱۰۰۵ نماز مترجم عزیز پیشکش

۱۰۰۰ سیمیم جنت

۱/۰۰ انور فتح چوٹہ مسد

۱/۵۰ برکات میدو

۱۰۵۰ ثواب العبادات

۲۹۰۰ چکی سیات پٹی سے

۲۵۰۰ نشر و ف

۱۳۵۰ فورنی حکومت

۱۰۰۰ مدائن النبوة

۱۰۰۰ عجائب القرآن

۲۸۱۰۰ بندہ الحق

کالج کے طلباء کے لیے

۲۶/۰۰ انوار ایش

۲۴/۰۰ انجم مرثیوت

۱۳۵۰ انصار شریعت

۲۲/۰۰ فاضل بدوی اور جنت

۶/۰۰ فاضل بدوی اور بک دولت

۱۰۰۰ تحریک دینی بنیاد و اسوۃ کاملہ

۲۵۰۰ شہادت اسنادی کا شریعت

۱۵۰۰ اکابر تبریک پاکستان

۳۹۰۰ سیرت مولانا

۳۰۰۰ سیرت مولانا

بچیوں اور خواتین کے لیے

۳۰۰۰ نسویشی زیور

۳۶۰۰ نسویشی زیور

۳۰۰۰ نسویشی زیور

۳۰۰۰ نسویشی زیور

۳۰۰۰ نسویشی زیور

